نسیم نکہت کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ

مقالہ برائے ایم فل (اردو)

مقالہ نگار

عسیلہ خاتون

نگراں

ڈاکٹر محمد کاشف

شعبۂ اردو، اسکول آف ہیومانیٹیز

یونیورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد 500046

فہرست

پیش لفظ: 03

باب اول: 07

نسیم نکہت کی سوانح حیات

باب دوم: 23

نسیم نکہت کی نظم نگاری کا تنقیدی مطالعہ

باب سوم: 54

نسیم نکہت کی غزل گوئی کا تنقیدی مطالعہ

ماحصل: 93

کتابیات: 96

پیش لفظ

پیش لفظ

اللہ کے نام سے شروع جونہایت مہربان اوررحم والا ہے۔جوساری کائنات کا مالک ہے۔جس نے انسان کوغیر معمولی صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیااور لاکھوں درودوسلام پیارے نبیﷺ پرجس کے لیے یہ ساری کائنات تخلیق کی گئی۔

نسیم نکہت کا شمارعہد جدید کے اُبھرتی ہوئی شاعرات میں ہوتا ہے۔چوں کہ نسیم نکہت نے مشاعرے کے ذریعے ادبی میدان میں قدم رکھا۔اب تک ان کے پانچ شعری مجموعے ''دھواں دھواں'' 1982ء، ''بھیگی بھیگی آنکھیں'' 1984ء،''پھولوں کا بوجھ''1995ء،''خواب دیکھنے والو!''2000ء اور''مرا انتظارکرنا''2010ء اور تحقیقی مقالہ''اردو شاعری میں واقعات کربلا'' 2011ء میں منظر عام پر آچکے ہیں۔نسیم نکہت کی شاعری پراب تک کوئی تحقیقی کام نہیں ہواہے۔جب کہ شعری منظرنامے پر بحیثیت شاعروہ ایک اچھی اور قابل قدر شاعرہ ہیں۔دیگر شاعرات کے مقابلے میں وہ سنجیدہ اور قادرالکلام شاعرہ ہیں۔اسی وجہ سے میں نے نسیم نکہت کی شاعری کواپنے ایم۔فل کا موضوع بنایا۔

میں نے اس مقالےکوتین ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا باب''نسیم نکہت کی حالات زندگی'' کے عنوان سے ہے۔اس باب میں ان کی پیدائش اورخاندان،تعلیم وتربیت اوران کی زندگی کے کچھ اہم واقعات پرروشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرا باب ''نظم نگاری کا تنقیدی مطالعہ'' کے عنوان سے ہے۔اس باب میں نسیم نکہت کی نظم نگاری کو ان کے شعری مجموعے کے حوالے سے اجاگر کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

تیسرا باب ''نسیم نکہت کی غزل گوئی کا تنقیدی مطالعہ'' کے موضوع پر مشتمل ہے۔اس باب میں نسیم نکہت کی غزل گوئی کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے۔

اختتامیہ میں پورے مقالے کا محاسبہ کیا گیا ہے۔آخر میں کتابیات کا حصہ ہے، جو حروف تہجی کے حساب سے ترتیب دیا گیا ہے۔

میں اپنے ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جنھوں نے اس مقالے کی تکمیل میں میری مدد کی ہے۔

سب سے پہلے میں اللہ رب العزت کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ جس نے حصول تعلیم کی توفیق عطا کی اور اس کے رحم و کرم اور توفیق سے میں نے اپنا مقالہ مکمل کرنے کی کوشش کی ہے۔

خدا کا شکر بجالانے کے بعد میں سب سے پہلے اپنے نگراں ڈاکٹر محمد کاشف صاحب کا بے حد شکر گزار اور ممنون ہوں کہ انھوں نے مقالے کی تیاری میں ہر ممکن میری رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی۔تحقیق کے دوران جب بھی مشکلات پیش آئیں میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انھوں نے تمام مصروفیات کے باوجود مجھے گراں قدر صلاح و مشوروں سے نوازتے رہے۔ان کی رہنمائی کی وجہ سے آج یہ مقالہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔میں ان کے حق میں دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت انھیں جزائے خیر نصیب فرمائے۔

میں اپنے شعبے کے دیگر اساتذہ کی بھی مشکور ہوں جنھوں نے میری تربیت کی اور ہر طرح کے نیک مشوروں سے نوازا، ان میں استاد محترم پروفیسر حبیب نثار صاحب (صدر شعبہ اردو)، محترمہ ڈاکٹر عرشیہ جبین صاحبہ، محترم ڈاکٹر اے، آر، منظر صاحب، محترم ڈاکٹر نشاط احمد

صاحب، محترم ڈاکٹر محمد زاہد الحق صاحب اور ڈاکٹر رفیعہ سلیم صاحبہ کا شکریہ ادا کرنا اپنا فریضہ سمجھتی ہوں جنھوں نے وقتاً فوقتاً مفید مشوروں سے نوازا، اور ہمہ آن میری حوصلہ افزائی کرتے رہے۔

مواد کی فراہمی کے سلسلے میں مختلف کتب خانوں کے ذمہ داروں کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جنھوں نے اپنے کتب خانوں سے مجھے استفادے کا موقع دیا۔ اس ضمن میں اندرا گاندھی میموریل لائبریری، یونی ورسٹی آف حیدرآباد، مرکزی کتب خانہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی حیدرآباد، ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیڈکر مرکزی لائبریری، جے۔ این۔ یو دہلی وغیرہ کا بے حد ممنون ہوں جنھوں نے مواد کی فراہمی میں میری مدد کی۔

اس مبارک موقع پر میں اپنے والدین کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ جنھوں نے مجھے اس قابل بنایا اور اعلیٰ تعلیم کے لیے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی۔ والدین کی محبت وشفقت میرے لیے باعث رحمت ہے جن کی دعاؤں سے آج یہ کامیابی حاصل ہوئی۔ میں اپنے بھائیوں کی بھی ممنون ومشکور ہوں کہ ان کی ہمدردی اور الفت ہمیشہ میرے ساتھ رہی۔

آخر میں اپنے دوستوں اور ہم جماعت ساتھیوں کا شکریہ ادا کرنا فرض سمجھتی ہوں جنھوں نے دوران تحقیق ہر طرح کی مدد کی، جہاں بھی مجھے مشکلات پیش آئیں وہ میرے ساتھ رہے۔ بالخصوص میرے ہم عصر، ہم جماعت صلاح الدین شاہ ہم جماعت رضا، ابرار، ریاض اور اور مظہر الحق اور تمام ساتھیوں کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں۔ میں تمام جونیئروں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جن کی محبت ہر وقت میرے ساتھ رہی۔ ان تمام لوگوں کے حق میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کے ان کو دنیا اور آخرت میں کامیاب فرمائے (آمین)

عسیلہ خاتون

باب اول

نسیم نکہت کی سوانح حیات

حالات زندگی

نسیم نکہت 10 /جون 1958ء کو صوبہ اتر پردیش کے مشہور شہر بارہ بنکی کے ایک سرکاری اسپتال میں پیدا ہوئیں۔ان کی تاریخ پیدائش میں کچھ اختلاف ہے وہ اپنی تاریخ پیدا ئش سے متعلق ایک انٹرویو میں کہتی ہیں:

''میری معلومات کے مطابق میری پیدائش 10 /جون 1958ء ہے لیکن والدہ کے مطابق 1959ء ہے۔جب کہ سرٹیفکیٹ میں 1958ء ہی درج ہے۔''[۱]

نسیم نکہت کی پیدائش پر ان کے والد ناخوش تھے۔وہ ابھی شیر خوار بچی ہی تھیں کہ ان کے والد محترم سید شہزاد حسین عرف جانو میاں نے اپنی خالہ زاد بہن ''جن کا نام ولیہ بانو تھا جو بے اولاد تھیں'' کو گود دے دیا۔جب ان سے اس واقعے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے اس کا جواب یوں دیا کہ:

''میں نے جب ہوش سنبھالا تو پھوپھا، پھوپھی اور بڑی دادی کو دیکھا۔پھوپھی کو امی، پھوپھا کو پاپا اور بڑی دادی کو اماں کہتی تھی۔''[۲]

نسیم نکہت کے والد کا نام سید شہزاد حسین عرف جانو میاں تھا اور والدہ کا نام نجمہ بیگم جو ملیح آباد کی رہنے والی تھیں۔ ان کے والد محترم تعلیم یافتہ تھے وہ انگریزی اخبار کا مطالعہ بڑے شوق سے کرتے تھے مگر والدہ کی تعلیم کوئی خاص نہیں تھی۔ نسیم نکہت اپنے والدین کی شادی کے بارے میں ایک انٹرویو میں کہتی ہیں:

> ''ان کی تعلیم مجھے معلوم نہیں لیکن میں نے انھیں انگریزی اخبار کا مطالعہ کرتے دیکھا تھا۔ میری والدہ اپنے چچا کے گھر بارہ بنکی میں رہتی تھیں۔ وہیں پر ان کی ملاقات میرے والد صاحب سے ہوئی اور دونوں میں عشق ہو گیا اور دونوں کے گھر والوں کی رضامندی سے شادی ہوئی۔ میری والدہ پٹھان تھیں لیکن والد صاحب سید گھرانے سے تھے۔''[۳]

نسیم نکہت کا بچپن نہایت ہی مصیبت اور غم میں گزرا، ان کی پھوپھی ہمیشہ انہیں ڈانٹتی، مارتیں اور انھیں بلند آواز میں بات کرنے سے منع کرتیں۔ یہاں تک کہ نسیم نکہت کو ہنسی مذاق اور اسکول کی سہیلیوں کے گھر آنے جانے اور میگزین لا کر پڑھنے پر بھی پابندی تھی۔ جب ان سے بچپن کے احوال کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے اس کی تفصیل یوں بیان کی:

> ''بچپن میں روتی رہی۔ مار کھانا، ڈانٹ سہنا میری قسمت تھی اور خاموشی سے روتے رہنا میری ممی مجھے زور سے رونے کی بھی اجازت نہیں دیتیں ''آواز نیچی کرو'' ان کی گرج دار آواز اب بھی کانوں میں آتی ہیں، گھور کیا رہی ہے، آنکھ نیچی کر، یہ صرف میرے ساتھ تھا باقی لوگوں کے ساتھ خوب ہنسی مذاق بولتیں مذاق کرتی تھیں بس میرے

ساتھ نہ جانے کیوں ایسا کرتی تھیں۔وہ میرے اسکول کی
سہیلی کے گھر جانے اور میگزین لاکر پڑھنے ،میرے کلاس
میں آکر مجھے طمانچے مار کرسب کے سامنے شرمندہ کر دیتیں
تھیں آخر کار چودہ برس تک میں یہ سزائیں سہتی رہی۔''۴؎

مذکورہ عبارت سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ نسیم نکہت کا بچپن عام لڑکیوں کی طرح نہیں گزرا جس طرح دیگر لڑکیوں کا بچپن بسر ہوتا ہے بلکہ ان کے ساتھ ہمیشہ جیل خانے کے قدیوں کی طرح برتاؤ کیا جاتا تھا۔روزمرہ کی طرح ڈانٹنا، مارنا، پیٹنا،ان پر ظلم وستم ڈھانا،ان کے ساتھ برابرتاؤ کرنا نسیم نکہت کی پھوپھی کے دل ودماغ میں گھر کر گئی تھی جس کی وجہ سے نسیم نکہت اپنی پھوپھی کی ہر ایک اشارے کو سر تسلیم خم کر کے خاموشی کے ساتھ حکم کی تعمیل کرتی رہیں۔ یہ سب چیزیں ان کے اوپر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹنے کے برابر تھا۔اپنے بچپن سے متعلق روداد غم کو اس طرح بیان کرتی ہیں:

''میرے بچپن کی کہانی کچھ عجیب وغریب سی ہے۔لوگ
ہمیشہ اپنے والدین کے اسیر ہوتے ہیں اور میں ان کی لاتعلقی
سے بہت دل گرفتہ تھی لیکن وہ لوگ یہ باتیں سوچ ہی نہیں
پاتے تھے۔''۵؎

نسیم نکہت کے پھوپھا جن کا نام سید مفتی مصطفیٰ حسین تھا۔ بڑے نیک دل اور ملنسار آدمی تھے۔ان سے جو کوئی بھی ملاقات کرتا تو ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے اور انھیں خوش رکھنے کی کوشش کرتے یہاں تک کہ لوگ ان کی خوش اسلوبی کی وجہ سے انھیں فرشتے سے تشبیہ دیتے۔انھوں نے نسیم نکہت کو کبھی بھی والدین کے نہ ہونے کا احساس نہ ہونے دیا بلکہ وہ انھیں اپنی اولاد کی طرح پالا، پوسا اور پرورش میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔اس تعلق سے نسیم نکہت نے

اپنے ایک انٹرویو میں اس طرح کہا کہ:

''انھوں نے (سید مفتی مصطفیٰ حسین) دوسرے کے بچے کو جس طرح پرورش کی اور ایک باپ کی طرح شفقت اور پیار دیا شاید ہی کوئی دے سکتا ہے۔ان کے لیے لوگ کہتے ہیں کہ مصطفیٰ صاحب تو ایک فرشتہ ہیں۔وہ کبھی غصہ نہیں کرتے تھے۔وہ بالکل الگ، سب سے جدا۔واقعی وہ ایک فرشتے سے کم نہ تھے۔باپ کیسا ہوتا ہے وہ میں نے انھیں دیکھ کر ہی جانا۔''۶

نسیم نکہت کی زندگی میں اس وقت قیامت برپا ہوئی جب ان کے پھوپھا کینسر کے مرض میں مبتلا ہو گئے اور اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔پھوپھا کے انتقال کے بعد وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے لگی تھیں جب کہ پھوپھی اور بڑی دادی کو اپنے پاس پاتے ہوئے بھی اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرتی تھیں۔جب ان سے انٹرویو میں پھوپھا کے انتقال کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے اس طرح بیان کیا:

''میرے پھوپھا ایک کینسر کے ذریعے 1972ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔اللہ کے فرشتے زیادہ دنوں تک اس دنیا میں کہاں رہتے ہیں اللہ نے انھیں بلالیا اور میں بالکل بے سہارا ہو گئی۔ان کی زندگی میں مجھے اس بات کا احساس تھا کہ میرا بھی اس دنیا میں کوئی ہے۔مگر پھوپھی اور بڑی دادی کے ہونے کے بعد بھی میں بالکل تنہا ہو گئی۔''۷

نسیم نکہت کی تربیت میں ان کے پھوپھا یعنی پاپا سید مفتی مصطفیٰ حسین کا کافی دخل رہا

۔انھوں نے ان کی تربیت میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔انھیں اعلیٰ تعلیم دلانے کے لیے روز نئی نئی کتابیں لاتے اور مطالعہ کرنے پر زور دیتے۔جس سے ان کی دوراندیشی اورغوروفکر میں وسعت پیدا ہوئی۔وہ اپنی تربیت کے سلسلے میں کچھ اس طرح گویا ہیں۔

''پاپا میری تربیت کے لیے مجھے بہترین کتابیں لاکر دیتے جن سے مجھ میں ادبیت کی جڑیں پیدا ہوئیں۔اس وقت کے بہترین ادب میں چندا ماما،ننھی کلیاں،نانی اماں،سویت سنگھ،رویندرناتھ ٹیگور، مہاتما گاندھی، چاچا نہرو، سوامی وویکانند، میرا بائی، مہا بھارت،لال بہادر شاستری جیسی کتابیں لالا کر مجھے کتابوں کا شوقین بنادیا جس سے میرے اندر ایک نئی فکر اور سوچنے کا انداز پیدا ہوگیا۔''۸

متذکرہ بالا اقتباس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ نسیم نکہت کی تربیت میں ان کے پھوپھا کا کردار کس طرح اہم رہا ہے۔اور یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ان کے اندر مطالعہ کا شوق تربیت کی وجہ سے پیدا ہوا۔کیوں کہ اب ان کی زندگی میں صرف کتابوں کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ باقی نہ رہا۔دراصل جس وقت ان کے تعلیم حاصل کرنے کا وقت تھا اس وقت انھیں پھوپھی کے ذریعے ظلم وستم،مار پیٹ،ڈر خوف میں پروان چڑھ رہا تھا لیکن ان کے پھوپھا کے پیارومحبت، شفقت اور کتابی ماحول نے انھیں ایک نئی دنیا میں سانس لینے میں مدد دی۔جس سے ان کے اندر مطالعے کا شوق اور نئی فکر ابھر کر سامنے آئی۔انٹرویو میں جب ان سے مطالعہ کے سلسلے میں پوچھا گیا تو انھوں نے اپنے مطالعہ کے بارے میں کچھ شعرا کا نام لیتے ہوئے بتایا کہ:

''جن شعرا نے مجھے مطالعہ کرنے کی ہدایت دی ان میں

ڈاکٹر بشیر بدر،خمار بارہ بنکی،اختر الایمان،علی سردار
جعفری،کیفی اعظمی، پاکستان کے عبد اللہ نصیر تارب، سلیم
کوثر،حمایت علی وغیرہ نے ایک ہی بات کہی کہ مطالعہ سے
ہی آپ کو سب حاصل ہوگا اور میں نے اس پر عمل کیا۔ ویسے
بھی میرے پاپا (پھوپھا) نے مجھے بچپن ہی سے مطالعے کا
شوقین بنادیا تھا۔اس کے بعد تو میرا مقصد بھی یہی تھا کہ میں
اور مطالعہ کروں ۔جس سے میں نے اچھی خاصی لائبریری
گھر ہی میں بنالی تھی اور اردو اکادمی کی لائبریری اور امیر
الدولہ لائبریری کے علاوہ اب گھر پر ہی بہت ساری کتابیں
رکھتی تھی ۔جس سے میرا مطالعے آسان ہوگیا اور اس مطالعہ
کو میں نے ہمیشہ قائم رکھا۔'' ۹

چوں کہ وہ کثیر مطالعہ کی وجہ سے مضامین اور کالم مستقل لکھنے کی عادی ہوگئی تھیں لہٰذا، وہ اپنے مطالعہ، رسائل وجرائد اور اخبارات میں کالم کے تعلق سے مزید کہتی ہیں:

''جو مطالعہ اور شاعری میں بچا تھا وہ سب میں نے صحافت
میں سیکھا۔''لوک مت'' میں جو ناگپور سے شائع ہوتا ہے
ڈھائی سال تک بطور صحافی لکھتی رہی جس میں میرا کالم
''یادوں کے موسم'' کے نام سے شائع ہوا۔علاوہ
ازیں لوگوں کے اصرار پر بہت سارے شاعروں اور
دانشوروں پر مضمون بھی لکھے۔'' ۱۰

نسیم نکہت ابھی ہائی اسکول کی طالبہ ہی تھیں کی ان کی شادی گوہر نواب کے بیٹے منور

جعفری کے ساتھ کردی گئی۔ چوں کہ نسیم نکہت اس رشتے سے ناخوش تھیں اور اس کی بہت مخالفت کی لیکن انھیں ڈرادھمکا کر چودہ برس کی عمر میں نکاح کر کے سسرال رخصت کردیا گیا۔ان کی شادی کے سلسلے میں ان سے سوال کیا گیا تو انھوں نے اس کا جواب اس طرح دیا کہ:

''ہائی اسکول کا امتحان ہوتے ہی پھوپھی نے میری شادی کردی۔شادی کیا تھی بس نکاح ہوا پھر گھر بدل گیا مگر حالات ویسے ہی رہے۔''[11]

نسیم نکہت کے شوہر منور جعفری کافی تجربہ کار انسان تھے۔وہ زیادہ جذباتی ہونے یا اس پر فخر کرنے کے عادی نہ تھے ۔لیکن نسیم نکہت کو یہ ساری باتیں احمقانہ معلوم ہوتی تھیں۔کیوں کہ ہر عورت اپنے شوہر کو حسن سلوک اور ایک ذمہ دار شوہر کے روپ میں دیکھنا چاہتی ہے لیکن ان کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں تھا۔ ان کے اندر خودداری ،دین داری،مہمان نوازی وغیرہ ساری چیزیں تو موجود تھیں لیکن وہ ایک اچھے شوہر کے زمرے میں نہ آسکے۔ان کا اوران کے شوہر دونوں کے مزاج یکسر مختلف تھا۔اس تعلق سے نسیم نکہت سے انٹرویو میں پوچھا گیا تو انھوں نے اپنے شوہر کے بارے میں یوں کہا کہ:

''لوگ میرے شوہر کو دنیا کا بہترین انسان مانتے ہیں۔ کیوں کہ وہ دین دار ہیں اور مہما نواز بھی، بلکہ حد سے زیادہ مہمان نواز ہیں۔علاوہ ازیں فیاض بھی،لیکن وہ ایک اچھے شوہر نہیں ہیں۔ہمیشہ ان کی فطرت میں لاؤبالی پن اور خودغرضی تھی۔لیکن بطور شوہر کبھی ایک شوہر نہ بن سکے۔میں بے حد جذباتی، بے حد حساس،خوددار اور وہ بالکل برعکس

مزاج رکھتے ہیں۔

☆☆☆

نہ وہ ہم مزاج میرا نہ وہ ہم خیال میرا
پھر اسی کے ساتھ کیسے یہ حیات کٹ گئی ہے''[۱۲]

☆☆☆

نسیم نکہت نے شادی کے بعد بھی اپنے تعلیمی سلسلے کو منقطع نہیں کیا بلکہ انھوں نے ایک بچی (نازیہ) کی پیدائش کے باوجود بھی انٹرمیڈیٹ اور بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔دراصل تعلیمی سلسلہ ان کے سسرال کی وجہ سے جاری وساری رہا کیوں کہ ان کے سسرال والے خود اہل ذوق تھے اور زیادہ تر شعروشاعری سے دلچسپی رکھتے تھے۔جس کی وجہ سے انہیں اپنی تعلیمی سلسلے کو جاری رکھنے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوگی۔اس سلسلے میں وہ انٹرویو کے ذریعے یوں بیان کرتی ہیں:

''دوڈھائی سال کے وقفے کے بعد ایک بچی کی ولادت ہوئی جس کا نام نازیہ رکھا۔اس وقت حالات بہت برے تھے لیکن میں نے اس دوران بھی انٹرمیڈیٹ اور بی۔اے کرنا جاری رکھا۔تعلیم میں کوئی رکاوٹ نہ آنے دی۔چوں کہ میں پوری مصروفیت کے باوجود اور تمام ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے بعد تعلیم حاصل کرتی رہی۔اس میں میرے سسرال والوں کی پوری مدد شامل رہی۔کیوں کہ وہاں کا ماحول کافی حد تک ادبی ماحول تھا۔سب کو زیادہ تر شاعری کا شوق تھا۔اس لیے میرے حق میں اچھا ثابت ہوا۔''[۱۳]

مذکورہ بالا عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نسیم نکہت نے اپنی تمام مصروفیتوں کے باوجود اپنے تعلیمی سلسلہ کو ترک نہیں کیا بلکہ انھوں نے تین بچوں کی ماں (پہلا بیٹا سمیر دوسری بیٹی نازیہ

اور تیسرا بیٹا علی) ہونے کے بعد بھی پی ۔ایچ ۔ڈی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ۔

نسیم نکہت کو شعروشاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا جس کا تذکرہ مذکورہ بالا صفحات میں کیا جا چکا ہے ۔انھوں نے اپنے آپ کو ادبی ماحول میں ڈھالنے کا ہنر سیکھ لیا تھا اور جب درد حد سے زیادہ بڑھ جاتا تو وہ اشعار کے روپ میں ڈھل جاتا ۔خدا اپنے بندوں سے جس طرح کا کام لینا چاہتا ہے ویسے ہی حالات اس کے لیے پیدا کر دیتا ہے ۔شاید نسیم نکہت سے بھی اس نے کچھ ایسا ہی چاہا ۔چوں کہ انھوں نے اپنی زندگی جس طرح بسر کی اس کو مدنظر رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی کو سنوارنے میں کافی جدوجہد کی اور اپنے آپ کو ایک مقام پر پہنچانے میں جو کوششیں کیں اس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی نظر آتی ہیں ۔ان کی مصیبت زدہ زندگی کے متعلق انٹرویو میں ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے اپنی زندگی کے بارے میں یو بیان کیا:

> ''میں خود کفیل تھی چاہتی تو سب کچھ ہوسکتا تھا مگر میری زندگی میری مجبوری بن گئی تھی اگر میں کچھ کرتی تو رسوائی کے علاوہ اور کچھ نہ ہوتا لیکن پھر بھی میں نے اپنی زندگی اور بچوں کی پرورش پر کافی سوچ سمجھ قدم اٹھایا اور میرے دوستوں کا مشورہ بھی میرے حق میں اچھا ثابٹ ہوا ۔''[۱۴]

نسیم نکہت کا گھر (سسرال) کا ماحول کافی ادبی ماحول تھا خود ان کے سسر گوہر نواب لکھنوَی کو شاعری کا بہت شوق تھا ۔انھوں نے اپنے استاد ماہر لکھنوَی سے اپنے اشعار کا اصلاح لیا کرتے تھے ۔گوہر نواب نے ہی اپنے استاد سے نسیم نکہت کو ملوایا جن سے وہ ابتدائی مراحل میں شاعری کے متعلق بنیادی مختلف باتیں یعنی عروض ، بحر ،وزن ،ردیف وقافیہ سے واقف ہوئیں اور انھیں سمجھا اور سیکھا لیکن یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک قائم نہ رہا کیوں کہ ان کے اندر بہت جلد سیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت موجود تھی ۔جن دنوں انھوں نے اپنے استاد سے اصلاح لیتی تھی

اسی زمانے میں پروین شاکر کا شعری مجموعہ ''خوشبو'' کا کافی چرچا تھا۔ جب انھوں نے اس مجموعے کو پڑھنا شروع کیا تو انھیں ایسا لگا کہ استاد محترم کی شاعری اور ان کا اصلاحی پہلو محض روایتی شاعری پر مبنی ہے لہٰذا انھوں نے اپنے استاد سے اصلاح لینا منقطع کر دیا اور جدید شاعری کی طرف مائل ہوئیں۔ ان کے ابتدائی ایام کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے ۔

شرکت محبتوں میں گوارا نہیں مجھے
وہ ہم سفر بلا سے مرا ساتھ چھوڑ دے

میرے لیے یہ شرط مجھے ساوتری بن کر جینا ہے
اور تجھے اس کی آزادی جس پر چاہے ڈورے ڈال

میں اسے روکتی رہ گئی میں اسے ٹوکتی رہ گئی
اور سفر سے وہ لوٹا بھی کب جب یہ دل بے طلب ہو گیا

نسیم نکہت نے کبھی سوچ سمجھ کر یا بالقصد کچھ نہیں کہا بلکہ جیسا ماحول ہوتا اسی حساب سے ان کے اندر سے اشعار ادا ہوتے۔ انھوں نے غزل کے ساتھ ساتھ نظم میں بھی طبع آزمائی کی۔ اس تعلق سے اپنے انٹرویو میں کہتی ہیں کہ:

''میں نے کبھی سوچ سمجھ کر یا پلان کے تحت کچھ نہیں کہا بس ہوتا چلا گیا۔ جیسے پاکستان میں نعت شریف پڑھنا، دبئ اور ابوظہبی میں نعت شریف پڑھنا، کراچی میں منقبت پڑھنا

اورسلام پڑھنا،سہرا لکھنا یہ سب اچانک کسی فرمائش پر ہوتااور بعد میں بڑی خوشی ہوتی کہ میں فنون میں کام کرسکتی ہوں۔میں نے نوحہ بھی لکھے سلام بھی لکھے۔یہ سب کر کے مجھے روحانی سکون حاصل ہوتا ہے۔میں نے غزل کے ساتھ ساتھ نظمیں بھی لکھیں لیکن نظم کے مقابلے میں غزل سے زیادہ لگاؤ تھامگر ضرورت کے تحت نظم بھی کہہ لیتی ہوں۔''[۱۵]

نسیم نکہت تو شعر بچپن ہی سے کہہ رہی تھیں لیکن انھیں اس بات کی خبر نہ تھی کہ غزل کسے کہتے ہیں اور نہ ہی وہ اس کے اجزائے ترکیبی سے باخبر تھیں۔جس کی وجہ سے انھیں ناکامیاں جھیلنی پڑی اور مشاعروں میں بری طرح ہوٹ ہوتی لیکن ٹھوکریں کھانے کے بعدانھیں یہ احساس ہوا کہ بغیر سیکھے منزل مقصود تک نہیں پہنچا جا سکتا۔لہٰذا انھوں نے شاعری پر مزید کتابیں پڑھیں اور غزل کے تمام اجزائے ترکیبی پر وسیع مطالعہ کیا خاص طور سے روایتی شاعری، ترقی پسندی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت وغیرہ پر خاص توجہ دی اور ادباء، وشعرا کی محفلوں میں شرکت کی اوران کی گفتگو کو بغور سماعت فرماتی۔ان میں ملک زادہ منظور، ڈاکٹر بشیر بدر، وسیم بریلوی، بیکل اتساہی، مخمور سعیدی، کرشن بہاری، نور، خمار بنکوی وغیرہ سے انھوں نے کافی حد تک شاعری اوراس کے متعلق بہت ساری معلومات حاصل کیں۔اس تعلق سے انھوں نے انٹرویو میں اپنی شاعری اورابتدائی دور کے حالات کے تعلق سے یوں بیان کیا ہے:

''جب میں نے پہلی غزل کہی تو اس وقت مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ شاعری ہے کیا یہاں تک کہ بغیر ردیف اور قافیہ کی غزل تھی جس کی وجہ سے مشاعرے میں بری طرح ہوٹ ہوئی

لیکن ٹھوکریں کھانے کے بعد یہ احساس ہوا کہ اگر منزل مقصود تک پہنچنا ہے تو غزل کے بارے میں ہمیں محنت کرنی پڑے گی ۔ مجھے پوری امید تھی کہ ایک نہ ایک دن میں اس منزل کو حاصل ضرور کروں گی ۔اس کمی کو پُر کرنے کے لیے ادبی مجلسوں میں شرکت کرنے لگی جن میں ملک زادہ منظور، ڈاکٹر بشیر بدر، وسیم بریلوی، بیکل اتساہی، مخمور سعیدی، کرشن بہاری، نور، خمار بارہ بنکوی وغیرہ تھے۔ میں نے ان کی گفتگو اور ادبی بحث ومباحثے کو بغور سنتی ۔علاوہ ازیں میں نے روایتی شاعری، ترقی پسندی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے بارے میں پڑھا تو پھر مجھے اپنا راستہ تلاش کرنا آسان ہو گیا ۔ مجھے معلوم ہوا کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں اور اس طرح میں نے اپنی شاعری کی زمین تلاش کی ۔ وقت بدل رہا تھا ترقی پسندوں کے مشاعروں میں پڑھے جو ''لال سلام''، ''کامریڈ'' جیسے لفظ عام تھے مگر دھیرے دھیرے ترقی پسندوں کا دور ختم ہوااور جدیدیت کا دور شروع ہوا۔اس بدلتے ماحول کو میں نے بھی اپنی شاعری میں جگہ دی اور اپنے منزل مقصود تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی ۔'' ۱۶

روایتی شاعری، ترقی پسندی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت پر مطالعے کے بعد نسیم نکہت کو غور وفکر اور انسانی احساسات وجذبات کو سمجھنے کا موقع ملا۔ان کو اس بات کا بھی احساس ہو گیا تھا کہ شاعری احساسات کے اظہار کا دوسرا نام ہے جس میں شاعر گمشدہ تہذیب

وثقافت،موسموں کی تبدیلی،انسانی رشتوں کی خودغرضی،نفرت ومحبت،لفظوں کے ذریعے بہترین خیالات پیش کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔نسیم نکہت اپنی شاعری میں غوروفکر،جذبات واحساسات کے متعلق اظہارخیال کرتے ہوئے انٹرویوں میں کہتی ہیں:

''زندگی ایک ایسے مجموعے کا نام ہے جسے خود انسان مختلف شکلوں میں پیش کرتا ہے۔میں نے محسوس کیا کہ کوئی بھی بات اگر غیرسنجیدہ اسلوب میں کہی جائے تو اس کی اہمیت اور شدت میں وہ کیفیت پیدانہیں ہوسکتی جو معمولی سی بات کو سنجیدگی سے بیان کرنے میں ہے۔شاعری احساسات کے اظہار کا دوسرا نام ہے اوران احساسات کامنبع کائنات ہے ۔موسموں کی تبدیلی ،انسانی رشتوں کی پامالی،خود غرضی،نفرت ومحبت کی قدریں ان تمام عناصر کی وجہ سے شاعری وجود میں آتی ہے ۔جس سے شاعر گمشدہ تہذیب وثقافت کی بازآفرینی اورحال سے مثبت رابطے کی کوشش کرتا ہے ۔اس کا احساس ہی اس کے ذہن کو بہترین لفظوں کے ذریعے بہترین خیال پیش کرنے کا ذریعہ بناتا ہے۔'' کا

علاوہ ازیں 1970ء کے بعد جب شعراء نے داخلیت سے خارجیت کی طرف مائل ہوئے تو انھوں نے بھی اسی سمت رخ کرلیا۔اس بدلتے ہوئے حالات پر ان سے ایک انٹرویومیں پوچھا گیا توانھوں نے بتایا کہ:

''1970ء کے بعد فرد داخلیت سے خارجیت کی سمت رخ کرنے لگے اور شاعری میں دوسروں کے حوالے سے اپنا

کرب بیان کرنے کا سلیقہ آنے لگا اور اس طرح جدیدیت
اور مابعد جدیدیت کے درمیان کی شاعری پیدا ہوئی۔شاید
میں لاشعوری طور پر اس شاعری سے متاثر ہوئی اور میری
شاعری میں جو کچھ بھی ہے اسی کے پیش نظر ہے۔''۱۸

چوں کہ نسیم نکہت نے مشاعرے کے ذریعے ادبی دنیا میں قدم رکھا لیکن انھیں ادبی دنیا میں کم اور مشاعرے کی وجہ سے زیادہ شہرت ملی۔انھوں نے اپنا پہلا مشاعرہ 1979ء میں پڑھا۔اپنے پہلے مشاعرے کے بارے میں بیان کرتی ہیں:

''پہلا مشاعرہ نومبر 1979ء میں پڑھا۔اس کے بعد
ٹی۔وی کا مشاعرہ پھر گنگا پرساد ہال کا مشاعرہ اور امین آباد
پارک کا مشاعرہ جہاں فراق گورکھپوری، مجروح سلطان
پوری، نور اندوری اور ساغر اعظمی وغیرموجود تھے۔''۱۹

بعدازاں انھوں نے مشاعرے کے لیے غیر ممالک کا سفر کیا۔نسیم نکہت نے غیر ممالک میں جن شعرا کے ساتھ مشاعرہ پڑھا ان کے ناموں کی وضاحت وہ ایک انٹرویو میں کچھ اس طرح کرتی ہیں:

''میں نے جن غیر ممالک میں مشاعرہ پڑھی ان میں بارہ
تیرہ مرتبہ پاکستان، آٹھ مرتبہ دبئ، ابوظہبی، بحرین، مسقط،
آٹھ مرتبہ جدہ اور ریاض، دوحہ، قطر، کویت اور پھر
1995ء میں تین ماہ امریکہ اور کناڈا میں مشاعروں کے
لیے جانا ہوا۔ پاکستان کے شعرا میں احمد فراز، حبیب
جالب، قتیل شفائی، عطاء الحق قاسمی، پروفیسر پیرزادہ

قاسم، عبیداللہ علیم، سلیم کوثر، نصیر ترابی، شہزاد احمد، رئیس امروہوی، جون ایلیا، جاذب قریشی وغیرہ کے ساتھ خوب مشاعرہ پڑھے۔'' [۲۰]

ہندوستان میں جن شعرا کے ساتھ نسیم نکہت نے مشاعرے میں شرکت کیں ان شعرا کے نام اس طرح ہیں:

''ہندوستان میں فراق گورکھپوری، علی سردار جعفری، مجروح سلطان پوری، اختر الایمان، غلام ربانی تاباں، عالم فتح پوری، خمار بارہ بنکوی، شمیم جے پوری، زیب غوری، والی آسی، شاعر جمالی، معراج فیض آبادی، نازش پرتاپ گڑھی، نثار تمکنت، کیف بھوپالی، مخمور سعیدی، امیر آغاز، کمار پاشی، کنور مہندر سنگھ بیری سحر، آفتاب لکھنوی، ساغر خیامی، شہریار، عادل لکھنوی، ساحر لکھنوی، کرشن بہاری نور، ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد، بیکل اتساہی، ڈاکٹر بشیر بدر، وسیم بریلوی اور راحت اندوری وغیرہ کے ساتھ کافی مشاعرے پڑھے۔'' [۲۱]

نسیم نکہت کے اب تک پانچ شعری مجموعے ''دھواں دھواں'' 1982ء، ''بھیگی بھیگی آنکھیں'' 1984ء، ''پھولوں کا بوجھ'' 1995ء، ''خواب دیکھنے والو!'' 2000ء اور ''مرا انتظار کرنا'' 2010ء اور تحقیقی مقالہ ''اردو شاعری میں واقعات کربلا'' 2011ء شائع ہو کر منظر عام پر آ چکے ہیں۔

نسیم نکہت کو ملک اور بیرون کے مختلف لٹریری اداروں نے شعری اور ادبی خدمات کے

اعتراف میں اعزاز سے بھی نوازا ہے۔جس کی فہرست درج ذیل ہے۔

(۱) بسٹ شاعرہ آف ائیر 1989ء،دہلی

(۲) شہرادب 1991ء،غازی آباد

(۳) عالمی فروغ اردوادب ایوارڈ، دوحا 1999ء،دوبئ

(۴) پروین شاکرایوارڈ 2003ء،دہلی

(۵) نوائے میرایوارڈ، برائے لاری ہاؤس، 2004ء،لکھنؤ

(۶) امریکن سوسائٹی ایوارڈ 2005ء

(۷) اعتراف کمال کراچی 2008ء،کراچی

(۸) انڈئن امبسی جداہ 2009ء

(۹) ساہتیہ جواہر سمان،لکھنؤ 2010ء،لکھنؤ

(۱۰) ہندی اردوساہتیہ ایوارڈ،لکھنؤ 2010ء،لکھنؤ

(۱۱) رجت جینتی ساہتیہ سمان،لکھنؤ 2013ء،لکھنؤ

(۱۲) اردواکادمی لکھنؤ کی طرف سے ''اردوشاعری میں واقعات کربلا'' پر 2014ء میں نوازا گیا۔

نسیم نکہت بچپن ہی سے سیر وسیاحت کی بے حد شوقین تھیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری وساری ہے۔لیکن وہ اس شوق کو اچھے طور پر پورا نہیں کرسکیں۔اس کی وجہ ان کے گھریلو حالات تھے اور دوسری طرف وہ شروع ہی سے یعنی طالب علمی ہی سے رسائل وجرائد اور اخبارات وغیرہ سے وابستہ رہیں اس لیے ہر کوئی جانتا ہے کہ صحافت سے تعلق رکھنے والے لوگ کس قدر

اپنے کام میں مشغول رہتے ہیں۔لیکن اس کے باوجود وہ زندگی سے مایوس نہیں ہوئیں۔اتنی مشغولیت کے باوجود ملک کے تقریباً بڑے شہروں کا دورہ کیا۔مشاعروں اور سمیناروں میں شرکت کی غرض سے انھوں نے بیرون ممالک کیا سفر کیا۔

حوالہ جات

(۱) شخصی انٹرویو 20.07.2017 صبح 9:40

(۲) ایضاً

(۳) شخصی انٹرویو 15.8.2017 دوپہر 3:15

(۴) ایضاً

(۵) ایضاً

(۶) ایضاً

(۷) شخصی انٹرویو 2.11.2017 شام 8 بجے

(۸) ایضاً

(۹) ایضاً

(۱۰) شخصی انٹرویو 25.12.2017 صبح 8:30 بجے

(۱۱) ایضاً

(۱۲) ایضاً

(۱۳) شخصی انٹرویو5.01.2018 صبح10 بجے

(۱۴) ایضاً

(۱۵) ایضاً

(۱۶) ایضاً

(۱۷) ایضاً

(۱۸) ایضاً

(۱۹) شخصی انٹرویو27.02.2018شام5 بجے

(۲۰) ایضاً

(۲۱) ایضاً

باب دوم

نسیم نکہت کی نظم نگاری کا تنقیدی مطالعہ

جدید اردو نظم کی بنیاد 1867ء میں انجمن پنجاب کے زیر اثر محمد حسین آزاؔد اور الطاف حسین حالؔی نے ڈالی تھی، اپنے طویل سفر میں حلقۂ ارباب ذوق، ترقی پسند تحریک اور بیسویں صدی کی پانچویں دہائی میں نمایاں طور پر ابھر کر سامنے آئی۔ نظم کے اس طویل سفر میں شعرا کی ایک لمبی فہرست ہے جس میں علامہ اقبالؔ، جوش ملیح آباد، فراقؔ گورکھپوری، فیض احمد فیضؔ، آنند نرائن ملا، مخدوم محی الدین، سردار جعفری، احمد ندیم قاسمی، روش صدیقی، وحید اختر، باقر مہدی ،فارغ بخاری، محمود ایاز، عمیق، میراجی، ن۔م۔راشید، اختر الایمان، مختار صدیقی، مجید امجد، منیر نیازی، خلیل الرحمان اعظمی اور شہاب جعفری وغیرہ شامل ہیں۔ 1960ء کے بعد ابھرنے والے شعرا میں احمد وصی، اکمل حیدرآبادی، تاج ہجوری، ممدون عثمانی، شفیق تنویر، صبا جائسی، صبا وحید، قمر اقبال، کامل اختر، کیف احمد صدیقی، مدحت الاختر، وقار خلیل، بمل کرشن اشک، شاذ تمکنت، عزیز قیسی، عمیق حنفی، کمار وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ بالخصوص بشر نواز، وزیر آغا، حمید الماس، حسن کمال ،راج رائن راز، شہریار، صادق، وحید اختر، قاضی سلیم، محمد علوی، مخمور سعیدی، ندا فاضلی وغیرہ خوش قسمتی سے سرگرم عمل رہے ہیں۔ انھیں شعرا میں ایک نام نسیم نکہت کا ہے۔

نسیم نکہتؔ کا شمار 1960ء کے بعد اردو کے اُبھرتی ہوئی شاعرات میں ہوتا ہے۔ انھوں نے شاعری کی متعدد اصناف، مثلاً غزل، نظم، قطعہ، رباعی کے ساتھ ساتھ گیت ،آزاد نظم، نثری نظم وغیرہ میں طبع آزمائی کی ۔حالاں کہ انھوں نے اپنی شاعری کا آغاز

مشاعرے سے کیا تھا مگر جلد ہی انھوں نے ادب وفن کی دنیا میں اپنا ایک مقام بنالیا۔

نسیم نکہتؔ خصوصاً غزل کی شاعرہ ہیں، لیکن زیادہ تر شعرائے غزل کی مانند انھوں نے بھی نظم میں طبع آزمائی کی ہے جو آزاد یا نظم معریٰ کی ہیئت رکھتی ہے۔

ان کے پہلے شعری مجموعے ''دھواں دھواں'' میں چھوٹی بڑی تقریباً ۳۶ نظمیں ہیں۔

2005ء میں شائع ہونے والا شعری مجموعہ ''خواب دیکھنے والو'' میں غزل کے ساتھ ساتھ ۳۰ نظمیں ملتی ہیں۔ جن کے مطالعے سے ہمیں نسیم نکہتؔ کے پرگو اور صاحب فن شاعرہ ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ 2010ء میں منظر عام آنے والا شعری مجموعے ''میرا انتظار کرنا'' میں بھی نظمیں ملتی ہیں جو کسی موقع خاص یا فرمائش پر لکھی گئی ہیں۔

نسیم نکہتؔ کی نظموں میں موضوع کے اعتبار سے کوئی بہت بڑا فلسفہ یا عالمی مسائل پر بحث و تحلیل نہیں ملتی، بلکہ عام طور پر سماج میں رونما ہونے والے پس پردہ کارفرما عوامل ان کی نظموں کے پس منظر میں ہیں جنھیں وہ سیدھے سیدھے مگر کچھ علامتی انداز میں اپنی شاعری میں پیش کر دیتی ہیں، الفاظ سادہ اور عام فہم ہوتے ہیں جو قاری یا سامع کو بغیر کسی الجھن کے سماعت کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہیں۔ ''میرا انتظار کرنا'' کے ابتدائیہ میں وہ خود رقمطراز ہیں:

''میرے پیچھے کوئی بڑا اسکول یا مقصد نہیں لیکن مجھے اطمینان
ہے کہ میری شاعری سچے لفظوں سے آراستہ ہے کوئی بہت
اہمیت حاصل نہ کرسکی تو کیا، مگر ہمیشہ دل کی بات کی ہے''[1]

یقیناً انھوں نے زمانے اور سماج کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہمیشہ دل کی سنی ہے اور دل کی ہی بات قرطاس پر ہی لکھی ہے۔ ان کی شاعری کا خاص موضوع یاس ومحرومی۔ خوابوں کی شکست جذبات واحساسات کا قتل ہے عورت ہونے کا احساس ان کی تحریروں میں نمایاں ہوتا

ہے مردانہ سماج سے انہیں شکایت ہے جو عورت کو دوسرے درجے کا انسان سمجھتا ہے۔

غزل کی طرح ان کی نظموں میں بھی عورت کے حقوق کی پامالی ہجر کا کرب، وفا اور جفا ،شکستہ خوابوں کی تکمیل ، مناظرِ فطرت اور وحدانیت جیسے موضوعات ملتے ہیں۔اپنے شعری مجموعے ''خواب دیکھنے والو'' کے پیش لفظ میں بذات خود خامہ فرسائی کرتی ہیں۔

''ایک معصوم سی لڑکی ہے، ہر وقت خاموش رہنے والی خود اپنے وجود
سے ڈرنے والی،
آنکھوں میں آنسو، سہمی ہوئی بھولی سی صورت،
اسے چودہ برس کی کچی عمر میں بن باس دے دیا گیا،
مگر کیوں!
یہاں تو کوئی شرط بھی نہ تھی۔
شاخوں نے خود ہی اپنے پھول کو نوچ کر پھینک دیا۔
اس کا قصور کیا تھا شاید یہی-کہ
وہ لڑکی تھی-
کاتب تقدیر نے اوراق قسمت میں تحریر کر دیا ہے کہ سایہ کی جستجو میں
سرگرداں رہے اور دھوپ کی ہمسفر بنے
آنسوں بھری بھیگی آنکھیں حیرت زدہ سی ہیں-سایے سے جب بھی
محبت کی-کسی ساحر نے بڑی صفائی سے منظر ہی تبدیل کر دیا-!
پُرخار دشت-سنّاٹا-شعلے سے بھڑکاتی ہوئی تیز ہوائیں
اور تنہا معصوم لڑکی-

شبنمی رخسار شعلوں کی تمازت سے جھلس رہے ہیں سنّا ٹا اس کی روح
کوڈس رہا ہے ہونٹ خشک اور پاگل درندوں کا خوف اسے ہراساں
کئے دے رہا ہے۔
اُف
یہ تنہائی کا سفر پیار اور خلوص سے محروم زندگی، تشنگی تشنگی۔
کیا وہ ایک غیر ضروری سوال ہے!!!
وہ خوشبو۔ پھول۔ بہار بارش۔ تتلی۔ دھواں اور دھنک کو پیار کرنے
والی لڑکی جس کا مقدر آنسو ہیں۔ اس شہر میں جینے کا تصور بھی کیسے
کرے
جہاں سایے بھی بڑے ہیں۔۲؎

ہندوستان کے درمیانی طبقے کے عزت دار مسلم خاندان میں پرورش پانے والی دوشیزہ کی تقدیر اور روایت کے اسیر اس سماج کے منھ بولتی تصویر کے لئے یہ الفاظ نہایت موزوں اور چست ثابت ہوتے ہیں ایک نوخیز لڑکی کے جذبات و احساسات، اس کی آرزوؤں اور کشمکش سے جنم لینے والی الجھنوں کے بارے میں خود انہیں کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''خود کلامی بچپن ہی سے فطرتِ ثانیہ تھی تنہائی میں اپنے آپ سے
باتیں کرنا اچھا لگتا تھا
لیکن سب کے سامنے سکوت۔ سکوت۔ سکوت!
سر پر کوئی دستِ شفقت نہ تھا تو غم اندر ہی اندر پلتا رہا۔
لبوں پر مُہر خاموشی تھی ویران آنکھیں بولنا چاہتی تھیں، مگر خوف زدہ

تھیں

وہ محسوس کرتی

کہیں یہ آتش غم اسے جلا کر راکھ نہ کر دے

یہ آہیں، کراہیں، سسکیاں، اور سرگوشیاں کیسی جنھیں وہ ہر لمحہ اپنے اندر محسوس کرتی تھی

اور پھر

قلم اور کاغذ کا کھیل اسے اچھا لگنے لگا۔

وہ تصورات کی وادیوں میں کھو گئی اتنی تنہائی کے باوجود خود فراموشی کا لمحہ کبھی نہ آیا۔

اسے سنّاٹے سے وحشت تھی -نفرت نہیں

اسے کسی صدا کا انتظار تھا- ہر پل ہر گھڑی۔ ہر لمحہ۔

اور پھر- وادریچے کھل گئے۔

کوئی اس سے کہہ رہا تھا۔

اس پراسرار عالم میں تو تنہا نہیں ہے۔ اپنی بھیگی بھیگی پلکیں اٹھا، ڈبڈبائی آنکھوں کو پونچھ ڈال دیکھ تو،

پھول، شبنم، ہوا، رنگ، خوشبو، تتلی، دھواں، پرندے، چاند رات سب کے سب تیرے ہم سفر ہیں۔

اور

اس نے موسموں سے دوستی کر لی۔ پھر بھی اس کی پلکوں پر آنسوں

چمکتے رہے وہ کسی تنہا لفظ کے مانند تھی جب کبھی اس نے شکستہ خوابوں
کی کرچیں جمع کرنا چاہیں اس کی انگلیاں لہولہان ہو گئیں
بات یہ نہیں،
کہ بستی جاں میں ماتم ہی رہا ہو۔
اس نے بہار کے موسم کو چمکتی انگلیوں سے چھوا
بارش کی بوندوں کو بڑے پیار سے اپنے شبنمی رخساروں پر سجایا
آنکھوں میں پھولوں کا رنگ لہرایا اور سانسوں میں نئے موسم کی کچھ
خوشبو کو مہکایا بھی۔
رنگین پھولوں پر لہرائی تتلیوں کے پیچھے بھاگتی ہوئی لڑکی خود کو فریب
دیتی رہی حرفِ تمنا زبان پر لانا چاہا تو ضمیر نے ہونٹوں پر انگلیاں
رکھ دیں
اس نے خود کو پانے کی کوشش میں اپنے کو کھو دیا۔[۳۲]

نسیم نکہت کے یہ الفاظ ان کے حالات، ان کی فکر اور ان کے تخیل کی عکاسی شعری پیرایہ میں کرتے ہیں۔ جو دورِ جدید کی بہت ہی ممتاز شاعرہ پروین شاکر کی یاد دلاتے ہیں، نسیم نکہت کی شاعر موضوع کے اعتبار سے کسی حد تک پروین شاکر سے متاثر نظر آتی ہے۔ ایک ہندی اخبار میں دیئے گئے انٹرویو میں وہ اس بات کا اعتراف کرتی ہیں کہ:

خاتون شعراء میں انہیں پروین شاکر بہت پسند تھیں، لیکن
انہوں نے پروین شاکر کا بہت زیادہ اثر نہیں قبول کیا۔ لیکن
شاعری میں راستہ وہی اپنایا جو پروین شاکر کا راستہ تھا۔ یعنی

جدیدیت کے ساتھ روایت کا بھی خیال اپنی شاعری میں

رکھا''۲۴

غزلوں کی طرح نسیم نکہت کی نظموں میں بھی یاس ومحرومی خوابوں کی شکست اور جذباتی آویزش کے کہیں روشن اور کہیں دھندے نقوش نظر آتے ہیں۔رومانی وفور نے یہاں بکھراؤ کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے اور مجموعی اعتبار سے ان نظموں میں تاثر کی وہ وحدت اور شدت نہیں جو غزل کے اشعار میں ملتے ہیں ،بعض نظموں ۔مثلاً ''سچ'' وغیرہ میں ایک سے زائد وزن استعمال ہوئے ہیں جس سے معنوی تسلسل مجروح ہوتا ہے ان کے پہلے شعری مجموعے دھواں دھواں،ص ر میں شامل یہ نظم ملاحظہ ہو۔

بیتے برسوں
کی چبھن
دل میں اتر آئی ہے
کتنے دن بعد
اسے دیکھا ہے
جیسے کوئی الّھڑ بچہ
پھول چرانے کی کوشش میں
پودے کو چھیڑا کرتا ہے
اور جب نازک سی انگلی میں
کانٹا چبھ جاتا ہے تو وہ
اپنی زخمی انگلی کو ہی

بھیگی آنکھوں کی حیرت سے
بس یونہی دیکھا کرتا ہے
دیکھ رہی ہوں اس کا چہرہ
اپنی آنکھیں
آنکھیں سچ بولا کرتی ہیں......

اس کے باوجود کچھ نظمیں ایسی ہیں جن میں سماجی ، سیاسی اور صنفی شعور جھلکتا ہے جو دلوں کو چھو جاتی ہیں: مثلاً ''کالی چادر'' میں ایک اشاراتی ڈرامائی فضا کی تخلیق بڑی مہارت سے کی گئی ہے نظم ملاحظہ ہو۔

سرمئی شام کے دھندلکے میں
نیم کے پیڑ کے گھنے سایے
اوڑھ لیتے ہیں کالی چادر سی ،
اور کھڑکی کے پاس بیٹھی میں
دیکھتی ہوں عجیب نظروں سے
ایک عورت کو پیڑ کے نیچے
چیتھڑے چند اس کا سرمایہ
ایک گٹھری میں لپٹے رکھے ہیں
روشنی میں بھی میں نے دیکھا ہے
لوگ نفرت سے دیکھ کر اس کو
راستہ کاٹ کر گزرتے ہیں۔

اور پاگل سمجھ کے ڈرتے تھے
لیکن اب دیکھتی ہوں کیا منظر
شام جتنی کہ ڈھلتی جاتی ہے
وہی نفرت کے کلجگی اوتار
دیکھ کر اس کو مسکراتے ہیں
اور نزدیک بھی بلاتے ہیں
سرمئی شام کے دھندلکے میں ۵؎

نسیم نکہت کا پہلا مجموعہ کلام ''دھواں دھواں'' عمر کی جس منزل میں شائع ہوا اس پر فطری طور پر ان کے یہاں عنفوانِ شباب کا جذباتی وفور، آرزومندی، وفا بے وفائی اور عشق و محبت کے نشیب وفراز کی چھاپ دکھائی دیتی ہے اس کی عمدہ مثالیں بھی اس مجموعہ میں موجود ہیں بطور نمونہ ''بے خبر'' کی کچھ نظمیں ملاحظہ ہوں:

تم کسی اور کی آنکھوں کو کنول کہتے ہو
اس کو تم تاج محل اور کبھی اپنی غزل کہتے ہو
چاند چہرے کو تو زلفوں کو گھٹا، اس طرح جانِ وفا
اس کی یادوں میں بسے رہتے ہو
کیا خبر تم کو پتہ ہو کہ نہ ہو
ایک لڑکی نے تمہیں
اپنی معصوم نگاہوں میں بسا رکھا ہے
اور یادوں کے دریچوں پہ سجا رکھا ہے

آج کل رہنے لگی ہے گم سم جانے ہے کون سا غم
کس لئے رات کی تنہائی میں
چونک کر سوتے سے وہ
جاگ جاتی ہے کبھی /اور روتی ہے کبھی
مسکراتی ہے کبھی۔
ہاں مگر۔
تم کو اے جان وفا اس کی خبر ہے کہ نہیں
اس کا یہ حال ہے کچھ تم پہ اثر ہے کہ نہیں
اس کی معصوم تمنا پہ نظر ہے کی نہیں
ہاں یہ معلوم ہے اس کو
کہ کبھی چاند زمیں پر تو نہیں کھل سکتا
اس کو محبوبہ نہیں مل سکتا
پھر بھی اک بار اسے اتنا بتلا دو
تمہیں پیار کرے یا نہ کرے[۶]

جب ہم اس نظم کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نظم غزل کا رنگ ولہجہ اور موضوع لئے ہوئے ہے۔ جب کہ یہ نظم نسوانی جذبات واحساسات کے پیکر کا مکمل پتہ دیتی ہے اور عشق میں ڈوبی کیفیت کی عکاس کرتی ہے اور اپنے مطلوب کو اپنی محبت اور انسیت کا احساس دلاتی۔ لیکن اپنی بدنصیبی کا شکوہ بھی دبی زبان میں کر دیتی ہے جو ایک سوال کی صورت میں قاری کے سامنے پیش ہوتا ہے۔ جو عدم مساوات، سماجی بندش، عورت مرد کے احکامات کی صورت

میں ہمارے درمیان روز اول سے سر گرداں ہیں۔

نسیم نکہت کی شاعری نے ہر چند کہ انہیں مشاعروں میں کافی مقبولیت عطا کی ہے اور ان کی غزلیں اور نظمیں زیادہ تر مشاعرے کا رنگ لئے ہوئے ہے لیکن اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی شاعری سیدھی، سلیس زبان اور عام فہم زبان اور سہل اسلوب کی حامل ہونے کی وجہ سے اوسط ذہن رکھنے والوں کے لئے بھی کافی دلچسپ رہی ہے۔

''دھواں دھواں'' کے پیش لفظ میں اپنی شاعری کی زبان اور اسلوب اور موضوع کے بارے میں وہ خود رقمطراز ہیں:

> ''اس کی زندگی آپ کے سامنے ہے-اس کی شاعری محسوسات کی عکاسی اور بس نہ بناوٗ۔ نہ سنگار۔ نہ لفظوں کی بازیگری وہ تو بس سیدھے سادے الفاظ میں اپنی بات کہنا چاہتی ہے ایسی سادہ زبان میں جو دوسروں کو بھی اس کیفیت سے آشنا کر سکے جو اس پر گزری اور جس سے اس نے استفادہ کیا۔ ے

اس طرح ان کی ایک نظم ''چہرہ چہرہ'' ہے جو غزل کا موضوع لئے ہوئے ہے اس میں عاشق اور معشوق کے ہجر اور وصال کے درمیان کی کشمکش کو عمدہ طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ جس میں فنکار کے نسوانی جذبات کا حامل ہونا ثابت ہوتا ہے کہ ایک معشوقہ اپنے عاشق کے فراق میں تڑپ رہی ہے۔ وہ ان رہگزاروں پر اکثر سر گرداں ہوتی ہے جس پر کبھی اس کا معشوق ملا کرتا تھا۔ یہ مسلسل نظم ہے اس میں موضوع کو مقصد تک لے جانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لئے پوری نظم تحریر کی جاتی ہے۔ یہ نظم تین چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر مشتمل ہے ملاحظہ کیجیے:

ان راہوں پر
جن پر اکثر
ہم تم ملتے رہتے تھے
اب میں جب بھی چلتی ہوں
چہرہ چہرہ تکتی ہوں
انجانے چہروں میں میں
اس اک پہچانے کو
وہ میرا روٹھا سینا
جانے کب کس موڑ پہ وہ
آ کر پھر سے ٹکرا جائے
ہم دونوں کے بیچ کی دوری
جانے کب مٹ جائے
جانے کب ہم پھر مل جائیں

ہندستانی روایتی معشوقہ کی طرح اسے یہ بھی خیال ہے کہ دنیا کے لوگ مجھے دیکھ رہے ہیں اور وہ لوگ اپنے اختیار کے مطابق قیاس آرائیاں بھی کر رہے ہیں لیکن انہیں کون بتلائے کہ میں صرف تم کو ڈھونڈ رہی ہوں نظم کا آخری بند ملاحظہ کریں:

وہ نہیں ملتا مجھ کو لیکن
چہرے سارے تکتے ہیں
جانے کیا سمجھتے ہیں

شاید وہ یہ سوچتے ہونگے
میں کیا دیکھا کرتی ہوں
ان کو یہ معلوم کہاں
میں تم کو ڈھونڈا کرتی ہوں

''یوکلپٹس کے سایے''نظم میں بھی اسی طرح کا موضوع قلم بند کیا گیا ہے۔ یہ نظم بھی تین حصوں میں منقسم ہے نظم کا پہلا حصہ ملاحظہ ہو جو نظم ''چہرہ چہرہ'' سے مماثلت رکھتا ہے:

پارک کے اک تنہا کونے میں
بیٹھی کیا کیا سوچ رہی ہوں
جھوم رہی ہے ساری دنیا
میں حسرت سے دیکھ رہی ہوں

نظم '' موسموں کی طرح'' لمحے ،سوال ،موت کا سورج ، وغیرہ بھی اس طرح کی لفظیات اور موضوع سے پُر ہیں۔

ان نظموں میں نسیم نکہت کی ناسٹلجیا (Nastalgia) کی کیفیات بھی ظاہر ہوتی ہیں۔ انہوں نے پرانی یادوں کو بہت سلیقے سے سنبھال کر رکھا ہے اور ضرورت پڑنے پر اسے مختلف طریقوں سے ہنر مندی کے ساتھ بیان کر دیتی ہیں۔

ان کی ایک نظم ''جنریشن گیپ'' ہے جو شعری مجموعہ ''خواب دیکھنے والوں!'' میں شامل ہے جو نئی نسلوں کی تفہیم و ترقی یافتہ سوچ اور فکر کی پرواز کو ظاہر کرتی ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ نظم نسیم نکہت کے گھر کی کہانی ہو جوان کی ذات سے وابستہ ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی زبانی پوری بات کسی ہم خیال سے گفتگو کے انداز میں پایہ تکمیل کو پہنچا دیتی ہیں:

پریشان ہوں میں گھر کے ان بکھیڑوں سے
اور اپنے سر پھرے خود سر نئے رنگین پھولوں سے
مہکتے ہیں میری تنہائیاں تک چھین لیتے ہیں
مری ہر بات پر یہ اپنی رائیں تھوپ دیتے ہیں
مجھے اپنے نظریے سے چلانا چاہتے ہیں یہ
ہواؤں سے الجھتے ہیں
گھٹاؤں پر کئی الزام عائد کر کے کہتے ہیں
کہ یہ سچ ہے
خود ان کی بات میں دم ہے
مرے افکار بونے ہیں
مجھے تنہائیوں سے پیار ہے لیکن وہ کہتے ہیں
کہ یہ آثار کچھ اچھے نہیں ہیں
خود اپنے آپ پر تھوڑی توجہ بھی کیا کیجئے
دکھاتی کیوں نہیں کسی اچھے معالج کو
اسے کہتے ہیں ڈپریشن
میں حیرت سے انہیں تکتی ہوں کیسے لوگ ہیں یہ سب
بھلا اس بھاگتی دنیا کے رنگوں میں رنگے ان چند
(۲) پھولوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا
مرے اندر کا سناٹا مجھے مجبور کرتا ہے

کہ میں خود سے ملوں اور خود کو ثابت کر کے دکھلاؤں ۸؎

نسیم نکہت نے قطعہ، رباعی کے ساتھ ساتھ گیت، آزاد نظم، نثری نظم وغیرہ میں بھی طبع آزمائی کی ہے حالانکہ نسیم نکہت نے اپنی شاعری کا آغاز مشاعرے سے کیا تھا مگر جلد ہی انہوں نے ادب وفن کی دنیا میں اپنا مقام بنالیا۔

ان کی ایک کی نظم ''بیک ورڈس'' ایک عمدہ نظم ہے جو ایک وسیع منظر نامے کو پیش کرتی ہے۔ اس میں مشرقی تہذیب اور روایات کو شاعرہ نے اپنے جذبات سے منسلک کر کے مزید توانائی عطا کی ہے۔ تہذیب کی پاسداری کا عمل شاعرہ کی رگوں میں رچی بسی ہوئی ہے۔ در اصل اس نظم میں کئی تہذیب اور کئی کلچر کو پیش کیا گیا ہے۔ جہاں جدیدیت کے نام پر لوگ اپنے بچوں سے الگ ہو گئے ہیں۔ شاعرہ نے نئی نسل کے مختلف پیشہ ور لوگوں کی مصروفیت کی So Called وجوہات پر طنز کی ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ وہ جس تہذیب سے آئی ہیں وہاں تو اب بھی مشرقی کلچر رواں دواں ہے وہاں آج بھی بچے اپنے ماؤں کے سائے میں پلتے ہیں۔ نظم ''بیک ورڈس'' ملاحظہ کریں:

سنا ہے میں نے
کہ اس سے پہلے جو لوگ آئے
یہاں انہوں نے
قصیدے تعریف کے لکھے ہیں
تمہارے شہروں کی
موسموں کی
جس میں بچے خود اپنے ماں باپ سے بچھڑ کر

بہت ہی خوش ہیں
یہاں کے بچوں کو اپنی ماؤں سے
کوئی چاہت نہ کوئی نفرت
نئ ترقی کی رہ گزر پر
گزرنے والوں کے پاس کوئی بھی اپنا لمحہ نہیں رہا ہے
یہاں کی مائیں جدیدیت کے حوالے اپنے گلاب کر کے

---------مشینیں سب کام کر رہی ہیں
میں سوچتی ہوں
یہاں پہ جذبوں کا ذکر ہی کیا
روایتیں ساری مر رہی ہیں

جہاں کی مائیں تمام بچوں کے گھر میں آنے کے بعد ان کو
خود اپنے ہاتھوں سے گرم کھانا کھلا کے کھائیں
جو اپنے بچوں کو اپنے آنچل کی چھاؤں میں رکھ کے

ہماری تہذیب اب بھی زندہ ہے
اب بھی ہم سب سے اعلیٰ تر ہیں
ترقیوں کی یہ رہ گزر ہو تمہیں مبارک

مگر ہمارے یہاں جو آنا۔۔۔۔تو دیکھنا تم

کہ ہم میں جذبات جگ رہے ہیں

روایتوں سے جڑے ہوئے ہم کبھی ترقی

نہ کر سکیں گے

تمہاری تہذیب اور ترقی کے ہم قصیدے

نہ کہہ سکیں گے۔

اس نظم سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نظم ''بیک ورڈس'' کے ذریعے نسیم نکہت نے عہد حاضر کی مصروفیات پر طنز کیا ہے۔اسی قبیل کی ایک نظم ''مصروفیت'' میں بھی انھوں نے عورتوں کے جذبات کو عورتوں کی ہی زبان میں پیش کیا ہے۔درحقیقت نسیم نکہتؔ نے دور حاضر پر طنز کیا ہے کہ انسان کو دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ وہ پڑھے، لکھے اور اللہ کی عبادت کرے اور اس کی آیتوں پر غور کرے لیکن دور حاضر کی مصروفیت نے اسے اس قدر الجھا دیا ہے کہ اس کے پاس فرصت ہی نہیں ہے۔نظم ''مصروفیت'' ملاحظہ کریں:

بہت مصروف ہوں میں

آج کل فرصت نہیں بالکل

ادھورے کام کتنے ہیں

جنھیں میں روز کرنے لئے ہمت جٹاتی ہوں

مکمل ہو نہیں پاتے کبھی گھر کو سمیٹوں اور کبھی خود کو سجاؤں ایسا

اک دن بھی نہیں ملتا

کتابیں بکھری رہتی ہیں مِرے اطراف اور میرے

جوانب میں

کبھی بچوں کی فرمائش

کہیں محفل کے ہنگامے

میں دو حصوں میں بٹ کر رہ گئی ہوں ایک مدت سے

مِری خواہش ہے گھر ہنستا رہے سب کام ہو جائیں

کتابیں پڑھ کے رکھ دوں اِک طرف

اور خود کو بہلاؤں

ہوا تتلی سے پھولوں سے شجر سے چاندنی سے

اور سنہرے خواب سی آنکھیں مجھے پڑھ لیں

مگر یہ ہو نہیں پاتا

ادھورے کام جتنے ہیں

وہ پورے ہو نہیں پاتے!

نسیم نکہتؔ نے نظم ''تھری اسٹجس آف لائف'' "Three Stages of Life" میں عمر کے تین حصے کو پیش کیا گیا ہے۔ پہلے پڑاؤ میں بچپن، دوسرے پڑاؤ میں عہد بلوغت اور تیسرے پڑاؤ میں عہد جوانی پیش کی گئی ہے۔شاعرہ نے اس نظم میں خود کو ایک راج کماری تصور کر کے عمر کے ان تینوں حصے کو طے کیا ہے۔ پہلے پڑاؤ میں بچپن کا ذکر ملاحظہ ہو:

سات سال کی ننھی بچی

آنکھ ستارہ پھول سا چہرہ

بھولی باتیں

صبح اجالا دن وہ سنہرا خواب سی راتیں

سپنا دیکھے آنکھ کھلی ہے ہوش نہیں ہے

ماں نے کہا تھا۔۔۔۔راج کماری اس دن آئے گا

یہ شاید وہ ہی تو نہیں ہے

دروازے پہ دیکھ کے ہنستا گاتا سپنا

سوچ رہی تھی۔

دوسرے حصے میں اس طرح پیش کیا گیا ہے:

چودہ سال کی راج کماری

ماں کے نام سے ڈرنے والی

چپ رہ کر سب سہنے والی

خواب بھی سہمے

دن بھی سونے

رات بھی روٹھی

راج کماری کا ہاتھ پکڑ کر

منزل منزل بھٹک رہی ہے

ماں کی یہ فرماں بردار آنکھ میں کیسی

کنکر بن کر کھٹک رہی ہے۔

تیسرے حصے میں عہد جوانی کا ذکر کیا گیا ہے وہ مندرجہ ذیل بند میں ملاحظہ کریں:

تیس سال کی عمر جو آئی راج کماری
روپ گنوا کر
پر ٹوٹی چڑیا کی جیسی
دھوپ میں بیٹھی جھلس رہی ہے
راج کماری اِک سپنا تھا
کب اپنا تھا
راہ میں تنہا چھوڑ گیا تھا
اس سے آنکھیں موڑ گیا تھا
دھوپ میں بیٹھی راج کماری
بے بس تنہا وقت کی ماری۔

اس نظم کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ نسیم نکہتؔ نے ''تھری اسٹجس آف لائف''یعنی زندگی کے تین مدارج کا ذکر کر کے عورت کے نفیسات اور اس کو ہونے والی اذیتوں کی ترجمانی بھی کی ہے۔اس کے ساتھ ہی ساتھ مسلم سماج میں لڑکیوں کی شادی میں آنے والے مسائل کی طرف علامتی انداز میں اشارہ بھی کیا گیا ہے۔مثال کے طور پر اس نظم کا ایک بند جو علامتی انداز میں لکھا کیا گیا ہے ملاحظہ ہو:

تیس سال کی عمر جو آئی راج کماری
روپ گنوا کر
پر ٹوٹی چڑیا کی جیسی
دھوپ میں بیٹھی جھلس رہی ہے

راج کماری اِک سپنا تھا

نسیم نکہتؔ نے عمر کے تین Stages جو بیان کیے ہیں اس پر مرزا غالبؔ کا ایک شعر بھی خوب یاد آتا ہے۔

☆☆☆

عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا؟
عمر کو بھی تو نہیں ہے پائیداری ہائے ہائے

نظم ''پہلا خواب'' ایک بہترین نظم ہے جس میں ماضی اور حال کا بہترین امتزاج پیش کیا گیا ہے۔ دراصل ایک لڑکی جو پھول چن رہی تھی اب وہ بڑی ہو چکی ہے اور اپنے محبوب کو اپنی آنکھوں کے سامنے ایک عرصے کے بعد دیکھنے پر وہ اپنے کو روک نہیں پاتی ہے۔ وہ اپنے دل کے جذبات و احساسات کو اس کے سامنے پیش کر دیتی ہے۔ چوں کہ اس کو اس بات کا ملال بھی ہے کہ اس نے جس کا انتظار کیا ہے وہ کبھی لوٹ کر واپس نہیں آیا۔ نظم ملاحظہ ہو:

اِک ننھی سی شہزادی
جوہی کی شاخوں کے سائے
بیٹھ کے کتنے پھول چنے تھے
دامن میں بھر کر پھر کتنی ڈھیر سی کلیاں
دونوں ہاتھوں کے کشکول میں پھول چھپائے
دیکھ رہی تھی
سوچ رہی تھی
تم نے دیکھا ہنس کر پوچھا

ان پھولوں کا کیا کرنا ہے
کیوں یہ چنے ہیں
''آپ کی خاطر''
وہ کھوئی کھوئی آنکھوں میں خواب سمیٹے بول رہی تھی
تم نے سوچا پگلی ہے دِل رکھ لوں اس کا
اور یہ سوچ کے تم نے اپنے اِک رومال میں
پھول سمیٹے اور چل دیئے
آج تلک بھولی شہزادی سونی آنکھوں خواب سجائے
جوہی کی کلیاں چنتی ہے
لیکن تم کب لوٹ کے آئے۔

اس نظم سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس نظم میں جس لڑکی کو علامتی طور پر ذکر کیا گیا ہے وہ کوئی اور نہیں بلکہ خود نسیم نکہتؔ ہیں جو اپنے ماضی کے جذبات واحساسات کی ترجمانی کرتی ہیں۔

نظم ''دراصل''(Infact)نسیم نکہتؔ کی بہترین نظموں میں شمار کی جاسکتی ہے اس نظم کی ابتدا تنہائیوں کے سوالیہ جملے سے ہوتی ہے جس میں ماضی کی یادوں کی دھول گواہ بن کر تنہائی کی زبان میں گویائی کرتی ہے ''مری تنہائیاں کہتی ہیں مجھ سے'' اس نظم کی ابتداء میں نسیم نے جولفظیات استعمال کی ہیں وہ انہیں کسی بڑی شاعرہ کے ہم پلہ بنادیتی ہے۔ مثلاً:

یہ سونا گھر اداس آنگن یہ کمرے
یہ اکتائی ہوئی اونگھی ہوئی خاموش دیواریں

یہ اندھی کھڑکیاں بہرے دریچے گونگے دروازے
یہاں جب رات رانی کی گھنیں بیلیں
مہکتی ہیں تو ڈر لگتا ہے
سانسیں رکنے لگتی ہیں
گلابوں کے لبوں پر سرخی خونِ جگر جیسے جھلکتا ہے
اداسی کی گھنی پرتوں میں لپٹا گہرا سناٹا
یہاں ہونٹوں کو جنبش کون دے سب کی الگ دنیا
الگ فکریں
یہاں سب اپنے اندر کے اندھیروں کو چھپا کر
روشنی کا ذکر کرتے ہیں
اسی کوشش میں رہتی ہیں نگاہیں
کہ آئینے میں کوئی عکس بے پردہ نہ ہو جائے۹

اس روایت پرست سماج اور خود غرضی نے انسان کو اتنا بے حس بنا دیا ہے کہ انسان اپنی غیرت تمناؤں آرزؤں اور امیدوں کے روشن خواب کو پردۂ خفا میں رکھ کر زندگی کا نمائشی چہرہ سامنے رکھتا ہے لیکن تنہائیوں کی اپنی زبان ہوتی ہے اور وہ شکایتی لہجے میں گویا ہوتی ہیں کہ ’’ مری تنہائیاں کہتی ہیں مجھ سے‘‘

کہاں ہے وہ ترا کچا گھروندا
جہاں اک چاہتوں کا تھا شجر بھی
اور اس پر خواہشوں کے آرزوؤں کے

تمناؤں کے رنگا رنگ طائر
چہکتے تھے تو آنگن گونجتا تھا
وہاں صیاد کا کھٹکا نہیں تھا
نہ جگنو جگمگاتے تھے کبھی پلکوں پر ایسے
یہ سب جگنو ستارے اور موتی
مجھے حالات سے شکوہ نہیں ہے
مگر پھر بھی مری آنکھیں مسلسل اک جزیرے کی طرح
زیرِ سمندر ہیں
مرا کچا گھروندا چھین گیا ہے
جہاں سچائیاں معصومیت کی بانہیں پکڑے
جستجو کے کچے پھل ہاتھوں میں تھامے
پیٹھ پر اپنی روایت اور رسموں کی امانت
لادکر مستی میں سڑکوں پر بھٹکتی تھیں

نسیم نکہتؔ کو زمانے اور اس کے اصول و حکمت سے بہت شکایت ہے اور یہ ان کی شاعری میں جابجا کھلے طور پر نظر آتا ہے اور اسی شکایت کا ایک صفحہ یہ اشعار بھی ہیں۔

آزادی اور امیدوں کا برآنا ہر بشر کی خواہش ہوتی ہے، لیکن ہمیں یہاں فن کار سے اختلاف اس بنا پر کرنا پڑتا ہے کہ آخر نظامِ قدرت بھی تو زندگی کا ایک سب سے اہم پہلو ہے اور اس کے زیرِ سایہ ہی انسانی وجود نے یہاں تک کا سفر طے کیا ہے اور اس سے فن کار بھی آزاد نہیں ہے۔

''کہاں گم ہو گئے وہ سبز موسم
مرے آنگن میں پت جھڑ سو رہا ہے
مرا کچا گھروندا چھن گیا ہے
مرا کچا گھروندا جاگتا تھا مسکراتا تھا
یہ گھر اک جھوٹ پر قائم ہے سمجھوتا ہے
رشتوں کا
وہ کچا سا گھروندا
مگر پھر بھی وہ سچا تھا

نظم کا یہ آخری حصہ زندگی کے کئی پہلوؤں کی تشریح کرتا ہے مگر مفہوم خاص کی بات کی جائے تو کچی عمر کے تمام خواب دلفریب ہوتے ہیں جس میں سچائی اور حقیقت کو ثابت کرنے کا ایک ناپائدار جنون نظر آتا ہے مگر بالغ نظری حقیقت کی پشت پر سوار ہوتی ہے۔

زندگی سے بے زاری، زمانے کی ناہمواری، پرانی تہذیبوں کا زوال نئے نئے زندگی کے زاویے شاعرہ کو اپنی قدیم روایت اور تہذیب وتمدن سے منحرف ہو جانے پر مجبور کرتے ہیں مگر فن کار ایک حساس ذہن اور مثبت فکر کا حامی ہوتا ہے لہٰذا وہ اپنے ماضی کے اقدار کو نئی تہذیب و کلچر سے رُندتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔

نظم جستجو اور تبدیلی تقریباً ایک ہی موضوع پر مبنی ہیں ان نظموں میں نسیم اپنے فطری اندازِ فکر کو ظاہر کرتی نظر آ رہی ہیں لڑکیوں کی ہجرتِ خاص خوابوں کی شکست ان کی نظموں کا مخصوص موضوع ہے۔ بقول قمر رئیس:

''تنہائی، محرومی اور اداسی کے اس کربناک سفر کی روداد نسیم

کے کلام میں کہیں روشن کہیں دھندلے حروف میں لکھی نظر آتی ہے بے شک ان کا کلام ان کے اپنے سلگتے وجود کی شکست وریخت کا آئینہ ہے لیکن بین السطور میں ان لاکھوں ہندوستانی خواتین کی محرومیوں اور صعوبتوں کو بھی محسوس کیا جاسکتا ہے جو مردوں کے اس بے رحم سماج میں جنم لیتی ہیں ''۔۱۰

نظم ''جستجو'' میں لڑکیوں کے شوق وجستجو اور نفسیاتی کشمکش کو بے حد خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ مختصر مصرعوں میں جس خوبی کے ساتھ خواتین کے احساسات وجذبات کی منظر کشی یا ترجمانی کی گئی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، بند ملاحظہ کریں:

وہ اجلا اجلا دھلا سویرا
وہ ریشمی سی گلابی شامیں
وہ چاندنی میں نہائے پورے
وہ ساحلوں پر بنے گھروندے
وہ سرمئی سی مہکتی راتیں
وہ پہروں کی باتیں
وہ اپنی گڑیا کو چاند تاروں سے جگمگانا
دلہن بنانا
وہ بات بے بات مسکرانا
وہ آنکھوں آنکھوں میں کھلکھلانا
کسی کا آنا
نئے پرندوں کی بولیوں سے شجر کے پتوں کا کانپ جانا ۱۱

ایک کنواری شہزادی کے خواب اور جستجو کی عمدہ منظر کشی نظم کے اس حصے میں ہمیں نظر آتی ہے جس میں چاندنی میں نہائے پودے، ساحلوں پر بنے گھروندے، رنگین شاموں اور مہکتی راتوں، گڑیا کی شادی رچانا جیسی تراکیب، اور آنکھوں آنکھوں میں کھلکھلانا، بات بے بات مسکرانا جیسے جملوں کا استعمال مناسب معلوم ہوتا ہے اسی نظم کے درمیانی حصے سے کشمکش محرومی و مایوسی ملاحظہ ہو:

اتر چکا ہے
اور اب یہ اجڑی اداس شامیں
سیاہ راتیں
خموش ہیں لب
کہاں ہیں باتیں
گھروندے ساحل کی اٹھتی لہروں میں کھو گئے ہیں
کھلونے خاموش ہو گئے ہیں
کسی نے گڑیا بھی توڑ ڈالی
ہنسی چرالی
پرندے آنگن سے اڑ چکے
سب اپنے اپنے پروں میں چھپ کر
نئے ٹھکانوں سے جڑ چکے ہیں
سسک سسک کر کسی سڑک پر
دوا سے محروم مر رہا ہے
یہ کیسا موسم گزر رہا ہے

شجر کے سایے ڈرا رہے ہیں
اداس نغمے سے گا رہے ہیں
سحر بھی شبنم کے آنسوؤں سے گلاب کی ایک ایک پتی دھو چکی ہے
نہ لمس میں اب ہے کوئی لذت
کہ جستجو ختم ہو چکی ہے۔۱۲؎

نسیم نکہت نے نظم کے اس حصے میں زمانے بھر کے نشیب وفراز تہذیب وروایت، ظلم و زیادتی ملک اور سماج سب کا احوال لکھ دیا ہے، بلکہ بڑی خوبصورتی سے اس کا نقشہ کھینچ دیا ہے اور طنز کے نشتر کو آہستہ سے چبھو دیا ہے۔ساتھ ہی اسی قبیل کی نظم تبدیلی کا آخری حصہ ملاحظہ ہو:

زباں کے پھول میرے ذہن میں ایسے مہکتے ہیں
کہ میں خوشبو کی دیوانی
کبھی رنگوں کی نازک تتلیوں کے ساتھ اڑتی ہوں
کبھی ان کو پکڑتی ہوں
مگر اب اور موسم ہے
مگر اب اور عالم ہے
نہ وہ تم
نہ وہ ہم ہیں۔۱۳؎

جستجو، تبدیلی، حمام، نظام، جال، لمحے وغیرہ نظموں کے موضوعات یکساں ہیں مگر اپنے معانی و مفاہیم معیار ومیزان اور جذبات کا احاطہ یہ نظمیں الگ انداز سے کرتی ہیں۔ جہاں ابہام وایہام نہیں بلکہ وضاحت وصراحت ہے۔

(نظم خوشبو کا قرض) آزاد نظم ہونے کے باوجود موضوع سے اس قدر پیوست ہے کہ

تسلسل برقرار رہتا ہے کہیں کوئی سکتہ یا جھول نہیں نظر آتا۔

نسیم کی شاعری ہجر و فراق، مایوسی و بے کسی سے پُر ہے خواہ وہ غزل ہو نظم یا گیت اپنی فطرت کے مطابق انہوں نے دنیا کو دیکھا اور پایا ہے. عورت ہونے کا احساس ان کی نظموں میں اولیت رکھتا ہے انہیں شاید اس بات کا احساس تمام عمر رہے گا کہ عورت بے بس ہے وہ ظلم کا شکار ہوتی ہے اس کے ساتھ انصاف نہیں ہوا وہ مظلوم ہے اسے آخر ایک دن اپنوں کو چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ زندگی بسر کرنا ہے اور اسی کے زیرِ سایہ سفر زندگی تمام ہو گی، نظم ملاحظہ ہو:

سفر پہ نکلی ہوں جانے کب سے
مگر کوئی سمت ہی نہیں ہے
کوئی مجھے یاد کب کرے گا
کوئی مرا منتظر نہیں ہے
تو کس لئے لوٹ جاؤں آخر
یہ کیسی یادیں ستا رہی ہیں
کسی نے مجھ سے کہا ہی کب تھا کہ ''جلد آنا''
کسی نے یہ بھی نہیں کہا تھا،
کہ آنے والے اداس موسم میں یاد آئے گی تیری صورت
تو پھر مجھے لوٹنے کی جلدی کہاں ہے آخر کہیں نہیں ہے
کوئی نہیں ہے
مگر یہ آنسو جو میری پلکوں پر جگنوؤں سے چمک اٹھے ہیں
یہ جانتے ہیں

کہ میرے آنگن کے پھول اپنی مہک کے کس طور منتظر ہیں
انہیں کی خاطر مجھے سفر سے ہے لوٹنا بھی
کہ مجھ کو خوشبو کا قرض اپنی
کسی بھی صورت اتارنا ہے

مندرجہ بالا نظم میں عورتوں کے ایثار و قربانی کو منظر کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ نسیم نکہتؔ ایک اچھی شاعرہ اور جدیدیت سے متاثر نظم نگار ہونے کے باوجود مگر روایتی شاعری کی پرستار کی حیثیت سے نظر آتی ہیں۔

نسیم نکہتؔ کی نظموں کے بغور مطالعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے یہاں صرف جدیدیت کا نظریہ ہی نہیں بلکہ ترقی پسند نظریے کی بھی جھلک نمایاں طور پر دیکھنے کو ملتی ہے نظم تضاد، انا، آئینے، اور حقیقت اس کی بہترین مثال ہیں جو سچ کا سامنا کرنے کی قوت اور بزدلی دکھانے کے انجام سے باخبر کرتی ہیں۔ مثلاً ''حقیقت'' نظم سے مثال ملاحظہ کیجیے:

سائے کے پیچھے
بھاگتے لوگو
تم کو خبر ہے؟
سایہ ساتھ نہیں دیتا ہے
دھوپ میں چلنا ہی اچھا ہے
دھوپ جلاتی ہے لیکن
سائے سے پھر بھی بہتر ہے
نرم زباں اور اجلے دل والے لوگ اچھے ہیں

اسی طرح نظم ''انا'' اپنے موضوع اور نام کا بہترین ثبوت پیش کرتی ہوئی نظم ہے جو ترقی پسند نظریے سے قریب تر ہے،نظم ملاحظہ ہو:

جو میرے چہرے کو مٹا کر
دوسرا چہرہ
دکھلاتے ہیں
میرے سچ کو جھٹلاتے ہیں
میں نے ایسے سب آئینے
توڑ دیے ہیں
اب میرا چہرہ ہی سچ ہے
شرمندہ ہو کر جینے سے
تو بہتر ہے
تنہا رہنا[۱۴۱]

نسیم نکہتؔ کی نظموں میں علامت نگاری کو بڑا دخل ہے قدما سے لیکر دورِ حال تک کے تخلیق کاروں نے علامت نگاری سے اپنے موضوع کو مقصد کے بروئے کار لانے میں مدد لی ہے نسیم بھی اس ہنر کو برتنے میں یقین رکھتی ہیں لہٰذا انہوں نے بھی کئی علامتی نظمیں لکھی ہیں ،مثلاً آئینے ،حمام ، بے اعتنائی ، انقلاب ، تاج محل ، دیوداسی ،شہرِخموشاں ، کالی چادر اور سچائی وغیرہ علامت کے طور پر موضوع و مفہوم کو واضح کرتی ہیں ۔نظم سچائی میں پتھر کو بہترین علامت اور تواریخ کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے جو بہت ہی عمدہ نظم ہے ۔ بند ملاحظہ ہو:

ترقیاں تو بہت ہیں لیکن
حریف اب بھی ہے صرف پتھر

وہ ایک پتھر کہ جس نے ہم کو تھی آگ بخشی
ہمارے عہد درندگی میں
وہ ایک پتھر کہ جس سے ہم نے غذا کی خاطر
وہ اک نوکیلا تند بھالا
وہ ایک خنجر کہ جس سے ہم نے شکار اپنے ذبح کئے تھے
وہ پتھروں سے بنے ہوئے تھے
ہمارا وہ عہد سنگ اب بھی
ہمارے ذہنوں میں عکس بن کر
جھلک رہا ہے

اس ترقی یافتہ زمانے میں بھی انسان مطمئن نہیں ہے دوسروں کو ایذاء پہنچانے، اسے تکلیف دینے، اس سے حسد رکھنے کے لئے مختلف ذرائع کا استعمال کرتا ہے گویا کہ چوٹ پہنچانے پر کوشاں رہتا ہے شاعرہ نے حوادثِ زمانہ میں پتھر سے جنم لینے والے واقعات و حادثات کو قلم بند کیا ہے جس میں انسانی تواریخ کی ترتیب پوشیدہ ہے کہ جب انسان کسی بھی چیز سے واقف نہیں تھا تب اسی پتھر سے اس نے آگ پیدا کی تھی اسی پتھر سے طرح طرح کی چیزیں بنا کر اپنے لئے غذا کی فراہمی کی تھی آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی وہ پتھر ہمارے ذہنوں میں عکس بن کر جھلک رہا ہے۔

کہ ہم پرستش میں سنگ کی اب بھی خون کی ندیاں بہا رہے ہیں
ہمارے ماضی کی عظمتِ سنگ اب بھی ہم پہ حکمراں ہے
وہ سنگ چاہے ہو کوئی مندر میں رکھی مورت

وہ سنگ چاہے شکستہ مسجد کا کوئی گنبد
مگر اسی کے لئے ہماری جوان نسلوں کا سرخ خوں
اب گلی سے سڑکوں تک آ گیا ہے
یہ خوں کے دھبے کس بڑھاپے کی ٹوٹی لاٹھی
جواں بیوہ کا بس اک آخری تھا وہ اک سہارا
کسی کا کڑیل جوان بھائی،
کسی کے سر پر وہ شفقتوں کا عظیم سایہ
نہ جانے کس کس کا خون مل کر
عجیب منظر دکھا رہا ہے
یہ سب کے خون میں نہا رہا ہے ''عظیم پتھر''

آج بھی ہم ماضی کے ان پتھروں کی حقیقت تک نہ پہنچ سکے کہ آخر اس پتھر کا اصل مقام کیا تھا، اس پتھر کو مختلف صورتوں میں چاہے وہ مندر کے اصنام ہوں یا مساجد کے گنبد، ہم اپنے اپنے مفاد کے طور پر استعمال کر رہے ہیں یہ نہ سوچتے ہوئے کہ ان پتھروں سے پیدا ہونے والی نفرت اور فساد میں نہ جانے کتنی نو جوان نسلیں برباد ہو رہی ہیں، جو انسانیت، ملک، اور قوم کا قیمتی سرمایہ ہیں جو زمانے کے کام آ تیں نظم کے اس درمیانی حصے میں دنیا کے کئی اہم واقعات پوشیدہ ہیں۔

مگر کبھی تو یہ نسل جاگے
کوئی یہ سوچے
کہ صرف اک سچ ہے آسمانوں میں دور حدِ نظر سے

او جھل
کوئی یہ سمجھے کہ سب کے اندر چھپا ہوا سچ ہی دیوتا ہے
وہی خدا ہے عظیم تر ہے
یہ کائنات وسیع و اعلیٰ اسی کے دم سے سجی ہوئی ہے
یہ اس کی بازی بچھی ہوئی ہے
وہ کھیلتا ہے وہ جیتتا ہے
ہم ہارنے کے لئے بنے ہیں سو ہارتے ہیں
وہی جو سچ ہے وہی خدا ہے کہ دیوتا ہے
تو آؤ پتھر کو بھول کر ہم
خود اپنے اندر کے سچ کو ڈھونڈیں!

نظم کے اس آخری حصے میں شاعرہ نے وحدانیت کی وضاحت کی ہے کہ انسان خود سے اپنی ذات کو افضل و برتر ثابت نہیں کرسکتا اب یہاں سچ کو علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ انسان کے اندر چھپا ہوا سچ جو فطرتِ انسانی کی وجہ سے باہر نہیں آپاتا دراصل اسی کے ذریعے حق تک رسائی ہے اور جب انسان یہ سمجھ جائے کہ کائنات کو سجانے والی ذات خدا ہی کی ہے۔اس نے ہی انسان کی تخلیق کی گویا کہ ہم ایک محتاج شئ ہیں ہم بذات خود کچھ بھی نہیں ہیں وہی سچ ہے جو ہمیشہ قائم رہے گا دراصل وہی خدا ہے تو کیوں ہم اس پتھر کی تلاش میں ہیں جس سے نقصان ہو رہا ہے بلکہ اس سچ کی تلاش کریں جس سے خون نہ بہے اور انسان اپنے مقصد تک پہنچ جائے۔

نسیم نکہت نے اپنی کچھ نظموں کے موضوعی نام انگریزی و ہندی زبان سے لیے ہیں

جیسے یوکلپٹس کے سایے، بیک ورڈس، تھری اسٹیجس آف لائف، جنریشن گیپ، کوما، آئیڈیل، ڈبل اسٹنڈرڈ، دیوداسی، جن دن، ساون وغیرہ۔انہوں نے ہندوستان کی کچھ عظیم ہستیوں سے متاثر ہوکران سے منسوب نظمیں بھی تحریر کی ہیں۔مثلاً جواہرلال نہرو، اندرا گاندھی، بھگوان مہا ویر، گرونانک وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ نسیم نکہت کی نظموں میں زبان سادہ اور سہل، موضوع خصوصاً عورتوں کے مسائل ان کے جذبات واحساسات پر فوکس کرتی ہیں دورِ جدید کے کچھ نظم نگاروں نے اپنی نظموں میں جنسیات کا بھی سہارا لیا ہے لیکن نسیم نکہت اس سے پوری طرح مبرّا ہیں ان کی انفرادیت کے بارے میں مشہور شاعر وناظمِ مشاعرہ انور جلال پوری رقمطراز ہیں:

> ’’وہ اپنی شاعرانہ انفرادیت کی خود محافظ ہیں وہ ہندو مسلمان کے ملے جلے مجمع میں جب اپنا کلام سناتی ہیں تو اکثر سامعین یہ کہتے ہوئے ملتے ہیں کہ’’ان کو یا تو راکھی باندھ دی جائے یا اپنی کلائیوں میں ان سے راکھی بندھوالی جائے‘‘۔[۱۶]

سچ تو یہ ہے کہ نسیم نکہت کی شاعری ہماری تہذیبی روایت کی پاس دار ہے۔ان کی شاعری میں ہمیں ایک سچا فن کار نظر آتا ہے۔وہ سماج میں پھیلی نابرابری اور ناہمواری سے ہمہ آن نالاں رہتی ہیں، ساتھ ہی ان کے یہاں عشق، ہجر اور وصال کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔

حوالہ جات

۱: میرا انتظار کرنا ،ص،۹۵۔ کاکوری آفسیٹ پریس ، لکھنو۲۰۱۰ء

۲: دھواں دھواں،ص،۱۲۱۔نامی پریس لکھنؤ،۱۹۸۴ء

۳: دھواں دھواں،ص،۱۲۵۔نامی پریس لکھنؤ،۱۹۸۴ء

۴: ہندی روزنامہ،لکھنؤ،۲۰۰۵ء

۵: دھواں دھواں،ص،۲۲۲۔نامی پریس لکھنؤ،۱۹۸۴ء

۶: دھواں دھواں،ص۱۹۵۔ نامی پریس لکھنؤ،۱۹۸۴ء

۷: دھواں دھواں،ص۱۹۹۔ نامی پریس لکھنؤ،۱۹۸۴ء

۸: خواب دیکھنے والو،ص،۱۲۵۔کاکوری پریس لکھنؤ،۲۰۰۵ء

۹: دھواں دھواں،ص۲۱۰۔ نامی پریس لکھنؤ،۱۹۸۴ء

۱۰: خواب دیکھنے والو،ص،۱۲۱۔کاکوری پریس لکھنؤ،۲۰۰۵ء

۱۱: آج کل،نئی دہلی، جون ۱۹۸۵ء

۱۲: خواب دیکھنے والو،ص،۱۲۸۔کاکوری پریس لکھنؤ،۲۰۰۵ء

۱۳: دھواں دھواں،ص۲۲۴۔ نامی پریس لکھنؤ،۱۹۸۴ء

۱۴: دھواں دھواں،ص۱۳۴۔ نامی پریس لکھنؤ،۱۹۸۴ء

۱۵: ماہنامہ آجکل،نئی دہلی،۱۹۸۵ء

بابِ سوم

نسیم نکہتؔ کی غزل گوئی کا مطالعہ

ہر عہد کی اپنی قدریں اور اپنے تقاضے ہوتے ہیں جو عہد بہ عہد تبدیل اور منقلب بھی ہوتے رہتے ہیں۔ قدروں اور تقاضوں کی یہ تغیر پذیری ایک طرف رجحانات ومیلانات کی تبدیلی کا باعث بنتی ہے تو دوسری جانب سیاسی وسماجی حالات اور فکری وتخلیقی عمل کا تعین بھی کرتی ہے۔لہٰذا تغیر وتبدل کا آئینہ نہ صرف موضوعاتی سطح پر اجاگر ہوتا ہے بلکہ اس کی جھلک ہیئتی سانچوں میں بھی دکھائی دیتی ہے۔اس لحاظ سے غزل بلاشبہ اردو شاعری کی سب سے نمایاں اور سب سے مقبول ترین صنفِ سخن قرار دی جا سکتی ہے کیوں کہ کسی بھی صنفِ سخن کا بدلتے ہوئے عہد کے ساتھ اپنی مقبولیت قائم رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں زمانے کے تغیرات وانقلابات کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے اور غزل نے نہ صرف مصائب ومشکلات کے باوجود ہر دور میں خود کو زندہ رکھا ہے بلکہ ہر عہد سے خراج عقیدت بھی حاصل کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ترقی پسند تحریک کے زمانے میں بھی طرحی شاعری یعنی غزل سے مکمل طور پر انحراف نہیں کیا جا سکا۔اسی لیے ترقی پسند نظم گو شعرا نے بھی غزل کا وقار بحال رکھا ہے۔ان شعرا نے ہر چند کہ نظمیہ شاعری کو وسیلۂ اظہار بنایا ہے لیکن اپنے تجربات ومشاہدات کی ترسیل کے لیے غزل کا پیرایہ بھی اختیار کیا ہے اور غزل کی روایت کو جدید تر موضوعات سے روبرو بھی کیا ہے۔یہ درست ہے کہ ان شعرا کے یہاں غزلیں نسبتاً کم ہیں

لیکن جو بھی ہیں انھیں فنی اور موضوعات کے لحاظ سے جدید دور کی سیاسی ومعاشی اور معاشرتی وتہذیبی کروٹوں سے جدا کر کے نہیں دیکھا جاسکتا ہے۔

جدید شاعری ترقی پسند تحریک کے ردِعمل کا نتیجہ ضرور تھی لیکن یہ عمل ترقی پسندوں کے ذریعہ ہی پیش آیا جو اس تحریک سے بدظن ہو گئے تھے۔انھوں نے جدید رجحانات وخیالات کو قبول کر کے ادب کے فروغ میں حصہ لیا۔جن شعرا نے مکمل سماج کے شعری ڈھانچے کو یکسر بدلنے کی کوشش کی ان میں ناصر کاظمی،ابن انشا،منیر نیازی،احمد فراز،احمد ندیم قاسمی،ندا فاضلی، خلیل الرحمٰن اعظمی،مظفر حنفی،عرفان صدیقی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ان شعرا نے اپنے ماضی سے رشتہ ہموار رکھتے ہوئے اپنے حال میں زندگی بسر کرنے کی سعی کی اور اس طرح غزل میں ایک نمایاں تبدیلی ہوتی گئی۔نئی شاعری کے لیے زمین ہموار کرنے والوں میں ترقی پسند شعرا نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔نئی شاعری سے متعلق شمیم حنفی لکھتے ہیں:

> ''نئی شاعری ترقی پسند تحریک کے ردعمل کا پتہ دیتی ہے متعدد ایسے شعرا جو ترقی پسند تحریک کے پیش رو ادبی روایات سے الگ ہو کر اس تحریک میں صرف اس لیے شامل ہوئے تھے یہاں انھیں فکر ونظر اور اساس کی تازہ کاری کے لیے بہتر فضا ملنے کی توقع تھی۔رفتہ رفتہ تحریک کے سماجی اور اجتماعی مقاصد اور بڑی حد تک غیر ادبی طریقہ کار سے دل برداشتہ ہو کر اس سے الگ ہو گئے۔''1؎

نسیم نکہت نے شاعری کا آغاز مشاعروں سے کیا۔مگر رفتہ رفتہ ان کا رجحان مکمل طور پر غزل گوئی کی طرف ہوا،جس کے کامیاب نمونے ہمیں ان کی شاعری میں دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔لیکن باوجود اس کے نسیم نکہت نے نظم نگاری میں بھی نمایاں کامیابی حاصل کی۔ان کی

غزلوں کا مجموعہ ''دھواں دھواں''، ''پھولوں کا بوجھ''، ''خواب دیکھنے والو'' اور ''میرا انتظار کر'' نئی شعری حسیت اور محویت میں رچا بسا ہے۔

نسیم نکہت جس عہد میں شاعری شروع کی اس وقت مشاعروں کا بول بالا تھا۔ بڑے بڑے مشاعرے منعقد کیے جاتے تھے۔ادب کا دامن وسیع تر ہوتا گیا اور شاعری اپنی تمام راعنائیوں کے ساتھ پھل پھول رہی تھی۔ بڑی بڑی شخصیتیں ان مشاعروں میں شریک ہوتی تھیں۔ دراصل نسیم نکہت کو مشاعروں سے بڑی دلچسپی تھی اور بڑی بڑی شخصیتوں کے ساتھ مشاعروں میں شریک ہونے کا موقع بھی ملا۔جن شخصیتوں کے ساتھ مشاعروں میں شرکت کرنے کا موقع ملا ان میں علی سردار جعفری، کیفی اعظمی، مجروح سلطان پوری، اختر الایمان، فراق گورکھپوری،سلام مچھلی شہری،شاذ تمکنت،نشور واحدی،مشیر جھنجھانوی،جگن ناتھ آزاد،غلام ربانی تاباں،انجم جبل پوری،مخمور سعیدی،امیر آغا قزلباش،کنور مہندر سنگھ بیدی سحر،کمار پاشی، بلراج کومل،نریش کمار شاد، رامانند ساگر،کرشن بہاری نور،خمار بارہ بنکوی،کیف بھوپالی،شمیم جے پوری،راہی شہابی، والی آسی، راز الہٰ آبادی،ساغر خیالی،ناظر خیامی،ساغر اعظمی،زیب غوری وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں جن شعرا کا دست شفقت، حوصلہ افزائی، آداب محفل، آداب گفتگو، ان کے درمیان نشست و برخاست،نکتہ چینی،مزاج کا سلیقہ اور زندگی کے ہر شعبے پر نظر رہی ،ان میں بشیر بدر، وسیم بریلوی، راحت اندوری،معراج فیض آبادی،رئیس انصاری،شہر یار، ملک زادہ منظور احمد،انور جلال پوری،تسنیم فاروقی،بشیر فاروقی وغیر کے نام بہت اہم ہیں۔زندگی کے ہر موڑ پر ان کے صحبتوں میں رہ کر اپنی شاعری کو پروان چڑھایا۔

دراصل نسیم نکہت نے جس زمانے میں شعر گوئی کے میدان میں قدم رکھا اس وقت

ترقی پسند تحریک کا شیرازہ بکھر رہا تھا اور تھوڑے ہی عرصے بعد جدیدیت کی تحریک کا جادو چل گیا۔ انھوں نے روایتی شاعری، ترقی پسند ادب اور جدید شاعری سبھی کا مطالعہ کیا لیکن وہ کسی ایک تحریک سے وابستہ نہ رہیں یہی وجہ ہے کہ نسیم نکہت کے تمام مجموعوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تخلیقات میں ان تحریکات کے مثبت اثرات نظر آتے ہیں۔ جس کا ذکر انھوں نے اپنے مجموعہ کلام ''خواب دیکھنے والو!'' کے ابتدائیہ میں کیا ہے:

> ''میں نے روایتی شاعری، ترقی پسند ادب اور جدید شاعری سبھی کا مطالعہ کیا ہے جس کے اثرات میری تخلیقات میں قارئین کو ملیں گے مگر کسی ایک ڈگر سے بندھ کر نہیں رہ سکی۔'' 2ے

مذکورہ بالا اقتباس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ نسیم نکہت اپنے آپ کو آزاد رکھنا چاہتی تھیں۔ وہ کسی تحریک یا رجحان سے وابستہ نہیں تھی۔ انھیں اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ ادب کو سکہ بند تحریکات و رجحانات تک محدود نہیں کیا جا سکتا ہے اور اس بات سے بخوبی واقف تھی کہ جس طرح سے ترقی پسند تحریک کے ساتھ پروپگنڈہ کا ایک لیبل چسپاں کیا گیا تھا، کیوں کہ انھوں نے ادب کے لیے ایک منشور بنایا تھا اور اسی منشور کے تحت ادیبوں اور شاعروں کو تخلیقات پیش کرنی پڑتی تھی۔ وہ ان سب کے مخالف تھیں اور اس بات پر زور دیتی تھیں کہ ادیب اور شاعر کو آزاد ذہن سے سوچنا چاہیے تب جا کر وہ ادب اور معاشرے کا حق ادا کر سکتا ہے۔ ساتھ ساتھ اس بات پر بھی اتفاق کرتی ہیں کہ جنیون شاعر و ادیب کسی تحریک یا رجحان کو مدنظر رکھ کر اپنے قلم کی آزادی کا گلا نہیں گھونٹ سکتا ہے۔ بلکہ وہ ایک آزاد پرندے کی طرح ہوتا ہے، جدھر سے چاہے وہاں سے اپنا مواد اکٹھا کر کے تخلیق کر سکتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے

کہ نسیم نکہتؔ نے اپنی شاعری کو ان تحریکات ورجحانات سے کوسوں دور رکھا ہے۔انھوں نے نہ صرف کلاسکیت ،نو کلاسکیت ،ترقی پسندی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت کا دور دیکھا ہے بلکہ ہر تحریک ورجحان سے اپنی وابستگی سے اپنا دامن بچائے رکھا اور یہ ان کی ایک اچھی خوبی تھی۔

نسیم نکہت ایک حقیقی شاعرہ کی حیثیت رکھتی ہیں جو خیال کو جذبے میں تبدیل کرنے کا ہنر بخوبی جانتی ہیں۔ان کی شاعری میں گہرائی اور گیرائی دونوں کارفرما نظر آتی ہے۔وہ اپنے احساسات وتجربات کو نرم اور مدھم لہجے میں خوبصورتی کے ساتھ پیش کرتی ہیں۔نسیم نکہت شاعری میں خصوصاً غزل کے میدان میں قابل قدر نمونے تخلیق کی ہیں۔انھوں نے اپنے اطراف میں پھیلی ہوئی برائی ،بے کس، بے بس اور غریب لوگوں کو قریب سے دیکھا اور ان لوگوں کی زندگی کے نشیب وفراز، مفلسی وغریبی اور ان پر ہو رہے ظلم وجبر کو اپنی شاعری کا موضوع بنا کر فنی چابک دستی کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔نسیم نکہت اپنے مشاہدات وتجربات کو خلوص ولگن کے ساتھ اپنی شاعری میں پیش کرنے کی سعی کی ہے۔

نسیم نکہت غزلوں میں انفرادیت کا لہجہ رکھتی ہیں۔ان کی غزلوں کا لہجہ عشقیہ ضرور ہے مگر اس میں حالات کی تلخیاں ، بےبسی، اور ناہمواری کا تلخ احساس بھی ہمیں ملتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہو۔

پھول کی گود میں شبنم کی طرح رہنے دو
ایک دو پَل کی کہانی ہے یہ دنیا کیا ہے
چوم کر پاؤں ترے میری نظر آٹھ نہ سکی

یہ محبت ہے تو آخر تری پوجا کیا ہے
جب بھی دیکھے وہی گلیاں وہی کوچے دیکھے
میرے خوابوں سے ترے گاؤں کا رشتہ کیا ہے

☆☆☆

جس سے محبت ہوتی ہے اس میں دم اٹکا رہتا ہے
جسم بکھر جاتا ہے لیکن آنکھیں جاگا کرتی ہیں
وصل کے لمحوں میں سارے لفظ اور زباں سو جاتے ہیں
کمرے کی تنہائی میں بس سانسیں جاگا کرتی ہیں
وہ دن بھی کیا تھے کہ جب عشق میں قرینے تھے
تکلّفات کے ہر ہر قدم پہ زینے تھے
خدا کرے کہ جدائی کے پل نہ اب آئیں
وہ چند پل کہ جو صدیاں برس مہینے تھے

☆☆☆

پھر رہی ہوں اس کی آنکھیں اپنی آنکھوں میں لئے
اس کے چہرے کے مقابل آئینہ کیا چیز ہے

اس کے آنے کی خبر سنتی ہوں پر آئے تو وہ
میں تو آنکھیں کردوں روشن یہ دیا کیا چیز ہے

دراصل نسیم نکہت کی شخصیت میں جو انفرادیت ہے وہ شاعر کو شاعر بناتی ہے اور اسی انفرادیت اور عصری حسّیت نے ان کی عشقیہ شاعری کو ایک آزاد کردار عطا کیا ہے۔مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے جن سے ان کے عشق کی انفرادیت واضح ہوتی ہے۔

ترے خیال سے تنہائیاں سجاتی ہوں
میں بادلوں سے بھی چہرہ ترا بناتی ہوں
وہ آنے والے ہیں میں گھر سجاؤں کیا پہنوں
ادھیڑ بُن میں کئی کام بھول جاتی ہوں
نہ کوئی آیا نہ آئے گا لوٹ کر لیکن
چراغ شام سے دہلیز پر جلاتی ہوں

☆☆☆

محبت ہے ادھر بھی اور ادھر بھی بے قراری ہے
مگر اقرار کرنے میں ابھی کچھ دن لگیں گے

☆☆☆

جوانی کے نشہ میں کون سنتا ہے بزرگوں کی
اس آندھی کو ٹھہرنے میں ابھی کچھ دن لگیں گے

انہوں نے کہیں کہیں مشکل ردیفوں کو بھی برتا ہے لہذا ایک جو کہ نہ صرف اس کی ردیف مشکل ہے بلکہ اس سے ان کی انفرادی شان نمایاں ہوتی ہے۔

دلوں میں پھیلا ہے سنسان بن کا سناٹا
بہت مہیب ہے اب کے بدن کا سناٹا

☆☆☆

کوئی صدا کوئی آہٹ سکوت کو توڑے
گلوں پہ بوجھ بنا ہے چمن کا سناٹا

☆☆☆

میں پچھلی رات اکیلی تھی اپنے آنگن میں
مجھے ڈراتا رہا میرے من کا سناٹا

☆☆☆

ہوس تھی چاند کے دل میں سحر کی کیوں نکہتؔ
عروسِ شب کو ملا ہے کفن کا سناٹا

مذکورہ بالا غزل اوراس کی انفرادیت کے تعلق سے قمر رئیس اپنے ایک مضمون میں جونسیم نکہتؔ کے شعری مجموعے ''دھواں دھواں'' سے متعلق لکھتے ہیں:

''ان اشعار میں سادگی کے باوجود شدتِ احساس اور معنی کا جہاں آباد ہے۔ ہر امیج اور ہر اشارہ میں تازہ کاری کا احساس ہوتا ہے اور یہ بھی کہ ان اشعار میں ایک ایسی تخئیلی فضا، ایسا لہجہ نکھر رہا ہے، جسے اپنی انفرادیت کو منوانے میں دیر نہیں لگے گی۔'' 3

نسیم نکہت کا یہ رومانی انداز اور مزاج عشق ان کی غزلوں میں جا بجا کارفرما ہے۔ ان کے کلام میں جہاں عشقیہ شاعری ملتی ہے وہیں ان کے یہاں تنہائی کا احساس بھی ملتا ہے اور یہ

تنہائی ان کے یہاں اس لیے ہے کیوں کہ وہ بچپن ہی سے اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرتی ہیں۔انھیں زندگی کی تلخیوں کا سامنا کرنا پڑا جس کی طرف اشارہ ان کی کتاب ’’یادوں کے موسم ‘‘میں ملتا ہے۔

☆☆☆

جب اترے چاند آنگن میں تو راتیں بات کرتی ہیں
وہ چہرہ خوبصورت ہے وہ آنکھیں بات کرتی ہیں
مری آنکھوں سے نیندیں لے کے تم نے رتجگے بخشے
مرے تکیۓ مرے بستر سے راتیں بات کرتی ہیں

☆☆☆

ان اشعار کا جذبۂ عشق نیا نہیں لیکن ان پر ایک زندہ اور رنگین شخصیت کی چھاپ پڑی ہوئی ہے۔عشق کو ہمارے شعرا نے برائے شعر گفتن خوب است سمجھ کر استعمال کیا ہے اور رسم روایت کی اس بھیڑ میں اصلی جذبہ اور سچا خلوص بھی اکثر دب کر رہ گیا ہے،نسیم نکہت کے یہاں یہ بات نہیں ہے۔یہاں ہر تجربہ، ہر جذبہ، واقعات عشق کے ہر موڑ، ہر کڑی منزل کو اس طرح دیکھا اور سہا گیا ہے جیسے وہ بے مثال اور انوکھا ہو اور یہ انوکھا پن ان کے یہاں جگہ جگہ دیکھنے کو ملتا ہے یہاں چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں جن سے نسیم نکہت کے رنگ وشاعری اور رنگِ تغزل کا اندازہ ہو جائے گا۔

☆☆☆

تمام موسم گزر گئے جب وہ قربتوں کے وہ چاہتوں کے
سوال بن کر اب آئے ہو تم محبتوں کے رفاقتوں کے

☆☆☆

نہ اب مروت نہ وہ محبت خلوص ہے اور نہ شرافت
زمانے جیسے گزر گئے سب حکایتوں کے روایتوں کے

☆☆☆

کہاں کے رشتے کہاں کی چاہت فقط غرض کی ہے یہ محبت
ہمیں بہت تجربے ہیں نکہتؔ سفارتوں کے تجارتوں کے

☆☆☆

نہ اسے خبر نہ مجھے خبر وہ کدھر گیا میں کدھر گئی
کوئی پنکھڑی تھی گلاب کی جو خزاں راتوں میں بکھر گئی
وہ اداس لڑکی تھی باولی جو وفا میں حد سے گزر گئی
تیری یاد میں کٹی زندگی ترے انتظار میں مر گئی
لوگ خاموشی سے محفل سے چلے جاتے ہیں
جانے والے بھی کہیں مل کے گلے جاتے ہیں
اب نہ نیندوں کا بھروسا ہے نہ راتوں کا یقین
خواب آنکھوں کو تھکن دے کے چلے جاتے ہیں

☆☆☆

نسیم نکہت کی شاعری کا ایک وصف تفکر ہے۔ان کی شاعری کا بنیادی عنصر جذباتیت ہے مگران کے یہاں کہیں کہیں فکر کے نقوش بھی ملتے ہیں لیکن یہ اتنے گہرے نہیں کہ جذبات پر حاوی ہوسکیں۔اپنی غزلوں میں بیشتر جگہوں پر انھوں نے فکر کو اساس بنایا ہے۔اسی لیے غزل

میں فکر اور جذبے کی آمیزش بہت ساری ایسی غزلیں اور اشعار ہمیں مل جاتے ہیں جو الگ ہی لطف دیتے ہیں، چند شعر دیکھئے۔

☆☆☆

وہ دن بھی خوب تھے جذبات جب مچلتے تھے
بدن میں جیسے ہزاروں چراغ جلتے تھے
گئی راتوں کے وہ منظر بھی یاد آتے ہیں
نظر سے پھول برستے تھے تیر چلتے تھے

☆☆☆

جہاں جل بجھے مرے خواب سب ہے نظر وہیں پہ جمی ہوئی
ہے مری حیات کی پالکی بھی اسی جگہ پہ رکی ہوئی

☆☆☆

مرے سارے پتے بکھر گئے مرے خواب آنکھوں میں مر گئے
میں بچھڑ کے اس سے جی نہ سکی کوئی شاخ جیسے کٹی ہوئی

☆☆☆

یہ خبر تو تھی جو بچھڑ گیا وہ پلٹ کے پھر سے نہ آئے گا
مگر اس جگہ اسی موڑ پر ہے نگاہ اب بھی جمی ہوئی

☆☆☆

ان کا فکری کینوس وسیع ہے اس تعلق سے مجموعہ کلام ''میرا انتظار کرنا'' کی ایک غزل

کئی خوبیوں کی حامل نظر آتی ہے۔ یہ غزل نسیم نکہت کے بدلے ہوئے انداز نگاہ وفکر اور پیرایہ اظہار، احساس واظہار کی بڑی بھرپور ترجمانی کرتی ہے۔اس غزل کے اشعار نسیم نکہت کا مترنم لہجہ جوان کی شاعری کی خاص خوبی ہے کی احتیاج بھی نہیں رکھتے ہیں جو بیک وقت ہر ایک کو مسحور کر دیتا ہے۔غزل ملاحظہ ہو۔

محبت کی نہیں جاتی محبت کرنی پڑتی ہے
یہاں لوگوں کو جذبوں کی تجارت کرنی پڑتی ہے

☆☆☆

یہ دنیا ہے شرافت سے یہاں حق بھی نہیں ملتا
کوئی باغی نہیں ہوتا بغاوت کرنی پڑتی ہے

☆☆☆

سنو سادہ مزاجوں کو کوئی جینے نہیں دیتا
کہ ہر میدان میں اب تو سیاست کرنی پڑتی ہے

☆☆☆

بہت آسان مت سمجھو غزل کے شعر کہہ لینا
یہ فن مشکل سے آتا ہے ریاضت کرنی پڑتی ہے

☆☆☆

وراثت چھیننے والے ہمیں کچھ دے نہیں سکتے
یہاں منصف کو ظالم کی حمایت کرنی پڑتی ہے

☆☆☆

نسیم نکہت کے کلام میں عمر کے تقاضے کے ساتھ ساتھ تبدیلی نظر آتی ہے۔انھوں نے آپ کو کہیں بھی محدود نہیں رکھا ہے۔وہ اپنے مجموعہ کلام ''میرا انتظار کرنا'' کے دیباچے میں اپنے تخلیقی سروکار کے بارے میں لکھتی ہیں؛

''میری شاعری سچے لفظوں سے آراستہ ہے کوئی بہت اہمیت نہ حاصل کر سکی تو کیا ہمیشہ دل کی بات کی ہے۔اگر دلّی کی بات کی تو شعری پیرائے میں ہے جو مجھے وہ شاعری کے پیش نظر،کبھی کوششوں سے کچھ حاصل نہیں کیا یہ کوتاہی میرا مزاج ہے۔آدھی عمر گزر گئی اسی کشمکش میں اور اب میں اپنے تجربات ومشاہدات میں لفظوں کے موتی پرو رہی ہوں۔''4

ان تمام اوصاف کو کامیابی سے برتنے کا سبب ان کی ادب عالیہ سے گہری واقفیت ہے۔جس نے انھیں بڑی حد تک لغزشوں سے بچائے رکھا ہے۔نسیم نکہتؔ کے چند شعر دیکھئے جن میں قدیم وجدید کا مناسب امتزاج ملتا ہے۔

اسے اپنے فن پہ جو مان تھا سو نہیں رہا
کبھی وہ بھی جادو بیان تھا سو نہیں رہا

☆☆☆

بڑھ گیا درد دواؤں کے اثر ہونے تک
چھوڑ کر چل دیا بیمار خبر ہونے تک
اک ریاضت ہے عبادت ہے یہ تخلیق کا فن

وقت درکار ہے پودے کو شجر ہونے تک

☆☆☆

شعر گوئی کوئی آسان نہیں ہے نکہتؔ
بال پک جاتے ہیں لفظوں میں اثر ہونے تک

نسیم نکہتؔ کی غزلیں ملائم جذباتی تمازت فنی چابک دستی اور رواں دواں کیفیات سے روشن ہیں۔ انھوں نے سنگ لاخ زمینوں بوجھل الفاظ اور فنی کرتب بازی کی نمائش سے احتراز کیا ہے۔ نسیم نکہتؔ کے مندرجہ ذیل اشعار قدرت فن کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں ملاحظہ ہو۔

☆☆☆

دِل میں جذبات کا عالم بھی اُس پر تری یاد کا موسم بھی
جیسے دریا میں موجیں ہوں موجوں میں ناؤ پرانی ہو

☆☆☆

دِل کے ویران دریچے میں اِک چہرہ اب بھی ملتا ہے
جیسے یادوں کے البم میں کوئی تصویر پرانی ہو

☆☆☆

وہ حسن مکمل ہوجائے وہ لفظ غزل بن جائے اگر
چہرے پہ حجاب کا پردا ہو آنکھوں میں شرم کا پانی ہو

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ نسیم نکہتؔ کے یہاں تبدیلی کے مختلف النوع مراحل واضح طور پر دیکھنے کو ملتے ہیں اور یہ تبدیلی ان کی شاعری کے لیے بے حد مددگار ثابت ہوئی ہے

۔مثلاً یہ کہ انھوں نے عشق کو جسم ونگاہ کے بجائے درد وکرب کی صورت کوشعری قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔مثلاً ۔

☆☆☆

دِل کی اِس دور میں قیمت نہیں ہوتی شاید
سب کی قِسمت میں محبت نہیں ہوتی شاید

☆☆☆

فیصلہ آخری لمحے میں بدل سکتا ہے
ہارنے والوں میں ہمّت نہیں ہوتی شاید

☆☆☆

کون جذبات کو بازار میں لے آیا ہے
ایسی چیزوں کی تجارت نہیں ہوتی شاید

☆☆☆

جی حضوری مِری فطرت میں جو شامل ہوتی
مجھ سے لوگوں کو شکایت نہیں ہوتی شاید

☆☆☆

میں بھی اوروں کی طرح اپنے لئے جیتی اگر
غم کی یوں مجھ پہ عنایت نہیں ہوتی شاید

نسیم نکہتؔ کے کلام میں کہیں کہیں سیاست اور معاشرت پر طنز کے وار بھی ملتے ہیں۔
ان کی غزلوں کا طنزیہ لہجہ بہت خوبصورت ہے اور بے حد شگفتہ انداز سے کیا گیا ہے: مثلاً ۔

کتنی نسلوں کے الزام تھے جو مری ذات پر آ لگے
بھول سے میرا لہجہ اگر اِک ذرا باغیانہ ہوا

☆☆☆

سب خدائی کا دعویٰ کریں ذات کو اپنی سجدہ کریں
اور مصلوب اس شہر میں صرف میرا گھرانہ ہوا
آشنائی کے پتھر ہمیں روز کرتے ہیں زخمی یہاں
اب نیا گھر کوئی ڈھونڈھ لیں یہ محلّہ پرانا ہوا

☆☆☆

جس کی ممتا کے سائے میں تھیں آدمی کی سبھی جنتیں
اُف یہ حالات کی بےحسی اس کی گھر بالا خانہ ہوا

☆☆☆

غزلوں کے ان اشعار میں نسیم نکہتؔ کی شاعری کا کینوس کشادہ ہوگیا ہے۔ان میں ایک وسعت اور ہمہ گیری درآئی ہے۔انھوں نے اشاریتی فضا پیدا کرتے ہوئے ان اشعار میں جہانِ معنی آباد کردیا ہے۔

نسیم نکہتؔ کی غزلوں میں فن کا زیادہ سلیقہ مند انداز نظر آتا ہے۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ہماری غزل کے صدیوں کے بنے بنائے سانچوں نے نئے فن کاروں کے لیے بہت آسانیاں کردی ہیں اور پھر ایک سبب یہ بھی ہے کہ غزل کی اشاریت شرح وبیان کی لغزشوں کو اپنے اندر چھپالیتی ہے۔اس تعلق سے ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہو؛

رات کو روشن کرنہیں پائے اور ابھی تک زندہ ہو
پچھلے پہر کے دھندلے چراغوں تم کتنے شرمندہ ہو

☆☆☆

تاروں کی چادر میں لپٹی رات سہاگن ہو جائے
شام کے سندوری ماتھے پر چاند اگر تابندہ ہو

☆☆☆

آج کی شب آؤ مل بیٹھیں اور ماضی کو دوہرائیں
لڑنا جھگڑنا شکوے شکایت جو بھی ہو آیندہ ہو

☆☆☆

دراصل یہ غزل میرؔ کی ایک غزل کی بحر میں لکھی گئی ہے۔ یہ وہ غزل ہے۔

''پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے''

کے وزن پر ہے۔ جس میں شبِ وصل اور سماجی بکھراؤ، ماضی کی یاد، خون ریزی، عصمت ریزی اور خاص کر علامتی نقطۂ نگاہ کو خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

نسیم نکہتؔ ایک عام خاتون کی حیثیت رکھتی ہیں، ان کے مسائل، پریشانیاں، الجھنیں ایک عام انسان جیسی تھیں اور جس نے عام انسان کے جذبات واحساسات، دکھ درد، حالات، خوابوں، تمناؤں کو شعر کا جامہ پہنا کر اپنی شاعری کے البم کو تیار کیا ہے۔ وہ ایک معمولی انسان کی طرح سوچتی، محسوس کرتی، خوشی کے موقع پر ہنستی اور غم کے موقع پر مایوس

اور دکھی بھی ہوتی۔ انھیں اپنے ماضی سے لگاؤ بھی تھا اور فطرت سے محبت بھی تو کبھی مردوں کی بے جا ظلم وستم کی صعوبتیں وغیرہ جیسے حالات سے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں۔قمر رئیس نے ان کے مجموعہ کلام ''دھواں دھواں'' پر تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

''تنہائی،محرومی اوراداسی کے اس کربناک سفر کی روداد نسیم نکہتؔ کے اس مجموعۂ کلام میں کہیں روشن اور کہیں دھندلے حروف میں لکھی نظر آتی ہے۔بے شک ان کا کلام ان کے اپنے سلگتے وجود کی شکست وریخت کا آئینہ ہے،لیکن بین السطور میں لاکھوں ہندوستانی خواتین کی محرومیوں اور صعوبتوں کو بھی محسوس کیا جاسکتا ہے،جومردوں کے اس بے رحم سماج میں جنم لیتی ہیں۔''5

اس اقتباس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ جن حالات وواقعات نے نسیم نکہتؔ کی زندگی کومتاثر کیا۔انھوں نے اسی کوشعر کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ خاص طور پر گھریلو حالات اور سماجی بکھراؤ نے انھیں شعر کہنے پر مجبور کیا۔ان کی شاعری میں سوز وگداز، دردمندی، آرزومندی، حسن وعشق جیسے رنگ بھی دیکھنے کو ملتے ہیں لیکن ایک رنگ جو غالب رہا ہے وہ بے بسی، محرومی، لاچاری، نارسائی، بے دلی اور بیزاری کا سرمئی رنگ جو کہیں کم ہے اور کہیں زیادہ۔

نسیم نکہتؔ کے یہاں محرومی،لاچاری،نارسائی جیسے موضوعات اکثر دیکھنے کو ملتے ہیں

،اس کے پیچھے ان کی زندگی کی وہ تلخ حقیقتیں ہیں جو انھیں وقتاً فوقتاً زندگی سے چبھتی رہیں۔اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ ہو۔

☆☆☆

کبھی زندگی نے ستم کئے کبھی موت آ کے پلٹ گئی
یہ مری حیات کی ڈور بھی کبھی بڑھ گئی کبھی گھٹ گئی
مرے پاس صرف وفائیں ہیں یہ محبتوں کی سزائیں ہیں
کبھی دن ہوا مرا دربدر کبھی رات آنکھوں میں کٹ گئی

☆☆☆

تیری نوازشیں ہیں ہر اِک خاص و عام پر
دریا ہے تیرا نام تو قطرہ مجھے بھی دے
سجدوں کو میرے پھر تری چوکھٹ نصیب ہو
منزل تلک پہنچنے کا رستہ مجھے بھی دے
سب کی مرادیں آئیں بھری سب کی جھولیاں
دامن مرا ہی خالی ہے مولیٰ مجھے بھی دے

☆☆☆

ہے عجیب موڑ پہ زندگی نہ تو غم رہا نہ خوشی رہی
نہ غرور ہے نہ سرور ہے نہ عروج ہے نہ زوال ہے

ان اشعار سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ نسیم نکہتؔ کی شاعری ان کی ذاتی حالات ومشاہدات پر منحصر ہے۔ انھوں نے زندگی میں جو محسوس کیا یا جوان پر گزری ہے،اسی کو

لفظوں کا جامہ پہنا کر شعر کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ قاری جب بھی ان کی شاعری کا سنجیدگی سے مطالعہ کرتا ہے تو اسے ان کی شاعری میں اپنے غم معلوم ہوتے ہیں۔ یعنی آپ بیتی، جگ بیتی بن جاتی ہے۔

نسیم نکہت کو روایت سے بے حد محبت اور لگاؤ تھا۔ پرانے لفظوں سے انھیں ایسا شغف تھا کہ بار بار ان کی شاعری میں ایسے موضوعات جھلکتے ہیں جو روایت کی یاد دلاتے ہیں۔ اور قاری بھی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ واقعی میں ہماری روایت کس قدر اہمیت کی حامل ہے۔ انھوں نے نئے سے نئے موضوع کو بھی کلاسیکی رکھ رکھاؤ کے ساتھ برتنے پر قدرت رکھتی ہیں۔ ان کی شاعری کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ان کا شعر قاری کو اپنے ساتھ نہیں لے جاتا ہے بلکہ غور و فکر کی تلقین کرتا ہے۔ تب جا کر قاری کو اصل مفہوم تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ اس ضمن میں چند اشعار ملاحظہ کریں۔

☆☆☆

اِک عجیب عالم ہے ہر کسی کے چہرے پر
موت کی اداسی ہے زندگی کے چہرے پر

☆☆☆

دھوپ ہے مسائل کی مصلحت کی وادی ہیں
وقت کا تقاضہ ہے آدمی کے چہرے پر

☆☆☆

غم تو سب کو ملتے ہیں کرب کے مگر سائے

ہیں کسی کی آنکھوں میں اور کسی کے چہرے پر

☆☆☆

لفظ لفظ بکھرے ہیں لہجہ لہجہ ٹوٹے ہیں
زخم ہیں مسائل کے شاعری کے چہرے پر

☆☆☆

روپ ہی بدل ڈالا گردشِ زمانہ نے
کس قدر بناوٹ ہے سادگی کے چہرے پر

☆☆☆

جب خلوص سجدہ کی بات آگئی نکہتؔ
کس قدر ندامت تھی بندگی کے چہرے پر

☆☆☆

نسیم نکہتؔ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ روایت سے کٹ کر انسان کا وجود ختم ہوجاتا ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ روایت کی پاس داری کرتی دکھائی دیتی ہیں ۔اس کی وجہ گھریلو شاعری کا اثر ہوسکتا ہے۔انھوں نے ہمیشہ روایت سے ایک رشتہ قائم رکھنے کی کوشش کی ہیں لیکن روایت کی فرسودگی سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہا۔جدیدیت کو بھی تسلیم کرتی ہیں لیکن بے مقصد جدیدیت کی کرتب بازی سے کوسوں دور نظر آتی ہیں۔انھوں نے ذات کے کرب کو بھی موضوع بنایا ہے لیکن سچائی یہ ہے کہ انھیں ماضی سے کٹ جانے کا بے حد غم تھااوروہ ماضی،حال اور مستقبل پر گہری نظر رکھتی ہیں ۔ جہاں وہ تنہائی کی بات کرتی ہیں

وہیں دوسری طرف فرد کا سماج سے رشتہ کٹ جانے پر افسوس کرتے ہوئے نظر آتی ہیں اور اس بات پر دکھی ہوتی ہیں کہ آئندہ نسل کی میراث ختم ہوتی جارہی ہے۔ جدیدیت کے شعرا سے جو چیزیں انھیں الگ کرتی ہیں اصل میں وہ یہی چیزیں ہیں۔

نسیم نکہتؔ زبان و بیان اور لفظوں کو برتنے کے اعتبار سے بھی جدید شعرا میں منفرد نظر آتی ہیں۔ انھوں نے جدیدیت کو قبول تو کرلیا تھا لیکن اس کی فیشن پرستی کو کبھی اپنی شاعری کا حصہ نہیں ہونے دیا۔ ان کی شاعری نادر علامت، استعارات وتشبیہات سے پاک نظر آتی ہے۔ خاص طور پر نئی غزل میں جو نئے تجربے کیے گئے ہیں، ان کی شاعری اس سے کوسوں دور ہے۔ انھوں نے اپنی غزل کو اینٹی غزل بنانے کے رجحان سے بھی دور رکھا ہے جو ایک زمانے میں فیشن بن گیا تھا۔ ان کے یہاں نہ تو ابہام واشکال ہے اور نہ خواہ مخواہ کی لفظی صنعت گری ہے بلکہ صاف اور سادہ لفظوں میں اپنے احساسات وجذبات اور مشاہدات کو قاری کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہیں۔ اس سلسلے میں قمر رئیس لکھتے ہیں:

> ''غزل ہو یا نظم نسیم نکہتؔ نہایت سادہ اور بے ساختہ لب ولہجہ میں اپنی بات کہنے پر اصرار کرتی ہیں۔ آرستگی، صناعی یا بعض جدید شعراء کی طرح لفظوں کے ہیر پھیر سے وہ کام نہیں لتیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کہیں کہیں ان کے اظہار وادا میں خام، کھردُرا انداز پیدا ہوجاتا ہے۔ اس کا خود انہیں اعتراف ہے۔ لیکن ان کے پاس کہنے کو اتنا کچھ ہے اور ان کے تجربات میں ایسی تہہ داری ہے کہ کسی صورت ان کو الفاظ میں ادا کردینا بھی ایک سچے فن کار کی طرح ان کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ فنی اظہار کے دوسرے مسائل فکر وکاوش

اور مشق کے ساتھ خود حل ہو جائیں گے۔''6

اس اقتباس سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ نسیم نکہتؔ نے اپنی شاعری کو فیشن پرستی، مہمل گوئی، ابہام، ناروا استعارات و علامات سے بچائے رکھا ہے۔

نسیم نکہت کے یہاں موضوعات کا تنوع دیکھنے کو ملتا ہے۔انھیں زبان و بیان پر بھر پور عبور حاصل ہے۔جس طرح سے ادیب و شاعر اپنی تخلیقات میں زندگی کے تجربات و مشاہدات کو پیش کرتے ہیں۔نسیم نکہتؔ کے یہاں بھی وہی کیفیت دیکھنے کو ملتی ہے۔ان کی شاعری کا بڑا حصہ ان کے تجربات و مشاہدات پر مشتمل ہے۔انھیں زندگی نے جو دیا یا جو زندگی میں تجربات حاصل ہوئے، انھی کو شعر کا جامہ پہنا کر پیش کرنے کی کوشش کی۔

نسیم نکہتؔ نے زندگی کے مدوجزر کا کافی تجربہ کیا ہے۔اس لیے ان کی شاعری میں ہر طرح کے موضوعات دیکھنے کو ملتے ہیں۔جہاں وہ ایک طرف محبوب کی باتیں کرتی ہیں وہیں دوسری طرف عام انسان کی پریشانیوں اور غموں کا ذکر بھی کرتی ہیں۔ان کے یہاں تنہائی کا پہلو بھی ہے اور ساتھ ہی ساتھ ماضی سے الگ ہونے کا غم بھی ہے۔جہاں وہ زندگی سے مایوس نظر آتی ہیں وہیں امید کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔سماجی بکھراؤ اور موجودہ دور کا استحصال ان کی شاعری کا ایک خاص موضوع ہے۔نسیم نکہتؔ شاعری کے ذریعے قاری کو زندگی کی حقیقت سے روشناس کرانا چاہتی ہیں۔انھیں اپنے وطن سے محبت بھی ہے اور اپنے ماضی سے لگاؤ بھی۔ان کو روایت سے کٹ جانے کا دکھ بھی ہے اور حال سے مایوسی بھی۔دنیا کی بے ثباتی کی باتیں بھی کرتی ہیں اور موت کے بعد اصل زندگی کو بھی تسلیم کرتی ہیں۔اس تعلق سے قمر رئیس یوں رقم طراز ہیں؛

''افتادگی، ذلّت اور کرب واذیت کا یہ احساس جو ان کے بیشتر
اشعار میں نمایاں ہے انفرادی ہو کر اجتماعی جہت رکھتا ہے۔ان کے
لفظی پیکراس سماج میں عورت کی انتہائی مظلومی اور بے بسی
کا دردناک نوحہ سناتے ہیں۔اس طرح کے تاثر آفریں اور تہہ دار
اشعار نسیم کی غزلوں میں کثرت سے مل جاتے ہیں۔'' 7

نسیم نکہتؔ نے اپنی شاعری میں کلاسیکی لب ولہجہ میں جدید موضوعات کو پیش کیا ہے۔ تنہائی، قدروں کی پامالی، رشتوں کا بکھراؤ، گھریلو حالات، سماجی بکھراؤ، شکست خواب، ماضی کی یاد، حالات کا جبر واستحصال، ہجرت کا کرب، عام انسان کی پریشانیاں، فرقہ وارانہ فسادات وغیرہ جیسے موضوعات سے نسیم نکہتؔ نے اپنی شاعری کی خمیر کو تیار کیا۔

ادیب وشاعر کا سب سے گہرا رشتہ سماج کے ساتھ ہوتا ہے۔شاعر خود کو اپنے سماج سے کتنا ہی دور کیوں نہ رکھے پھر بھی سماج کے حالات وواقعات کا اثر قبول کر ہی لیتا ہے۔کیوں کہ شاعر بھی عام انسان جیسا ہی ہوتا ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ شاعر جو چیزیں اپنے تخیل اور ادراک کی وجہ سے دیکھ سکتا ہے، وہ چیزیں عام انسان کے لیے محسوس بھی کرنا دور کی بات ہے۔نسیم نکہتؔ کے یہاں غالب پہلو سماجی بکھراؤ، قدروں کی پامالی، رشتوں کی ناقدری، مطالب پرستی، پرانے عقیدوں سے لگاؤ وغیرہ جیسے سماجی موضوعات ملتے ہیں۔

نسیم نکہتؔ کو اپنے سماج سے بے حد عقیدت تھی۔ سیاسی، سماج کے حالات وواقعات پر ان کی گہری نظر تھی جو ہر وقت انھیں پریشان اور مایوس کر دیتے ہیں۔انھیں اپنی قوم سے

بھی غیر معمولی لگاؤ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں سیاسی وسماجی موضوعات کی جھلک نظر آتی ہے۔

یوں گرا دیتا ہے آخر روز اک دیوار کون
یہ بزرگوں کی حویلی کر گیا مسمار کون

☆☆☆

تم نہیں میں بھی نہیں یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
کر رہا ہے قتل و خوں کا پھر یہ کاروبار کون

☆☆☆

ہر طرف شعلے دھواں لاشیں دھماکوں کی خبر
خوں سے رنگیں کر رہا ہے کوچہ و بازار کون

☆☆☆

وہ جا رہا تھا اور میں رو بھی نہیں سکی
چاروں طرف سماج کی اونچی فصیل تھی

☆☆☆

تم نے تو صرف رِشتوں کی زنجیر توڑ دی
ہم نے ذرا سی بات پہ دنیا ہی چھوڑ دی

☆☆☆

الجھ گئے ہیں مسائل میں اِن دِنوں ہم بھی
تمہارے پاس بھی اچھا ہے فرصتیں کم ہیں

☆☆☆

وطن کی مٹی نہ ماں کا آنچل تمام رشتوں کو توڑ آئے
نہ جانے دولت میں کای کشش ہے یہ مال وزر کا سرور کیا ہے
وطن میں ملتی جو نوکری تو بساتے پردیس کس لئے تم
ہے یہ تو حالات کی عنایت تمہارا اس میں قصور کیا ہے

☆☆☆

کہیں پہ شریں ہی شریں کہیں پہ ترش ہی ترش
سیاسی لوگوں کے لہجے بدلتے رہتے ہیں
امیروں کے لئے ساری رعایت ہر عنایت ہے
غریبوں کے نوالے بھی سیاست چھین لیتی ہے

☆☆☆

مذکورہ بالا اشعار سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جو بچے فلیٹوں میں پیدا ہوتے ہیں، انھیں اس بات کا کبھی اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ گھر کس کو کہتے ہیں؟ آنگن کس چیز کا نام ہے، ہمسایہ کس کو کہتے ہیں؟ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شامل ہونا کیا ہوتا ہے؟ وہ موجودہ سماجی بکھراؤ سے بے حد مایوس نظر آتی ہیں لیکن لکھنؤ میں رہ کر انھیں اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ شہر اور گاؤں کی زندگی کبھی ایک نہیں ہو سکتی ہے۔

نسیم نکہتؔ کے یہاں گھر کا تصور بھی فطری ہے۔ان کو بے حد افسوس ہورہا ہے کہ سماج میں پرانی چیزیں ختم ہوتی جارہی ہیں۔اب وہ گھر گھر نہیں رہا،جس کو اصل میں گھر کہا جاتا تھا۔انسان صارفیت کے دور میں حقیقت میں خود کو بہت آگے لے جا چکا ہے لیکن بہت کچھ کھو بھی چکا ہے۔وہ پیار ومحبت،رشتے،دوست واحباب سے کوسوں دور ہو گیا ہے۔سماج کے اس انتشار کا اثر ان کی شاعری میں جگہ جگہ نظر آتا ہے۔

☆☆☆

یہ اداس اداس موسم یہ خزاں خزاں فضائیں
وہی زندگی تھی جتنی ترے ساتھ کٹ گئی ہے

☆☆☆

نہ تجھے خبر ہے میری نہ مجھے خبر ہے تیری
تری داستاں سے جیسے مری ذات کٹ گئی ہے

☆☆☆

نہ وہ ہم خیال میرا نہ وہ ہم مزاج میرا
پھر اسی کے ساتھ کیسے یہ حیات کٹ گئی ہے

☆☆☆

نفرتیں سازشیں الجھنیں ہم کسی کی طرح کیوں بنیں
اب کہیں اور چل کر رہیں اس چمن میں گزارا نہیں

☆☆☆

میں ہوں صحرا کا تنہا شجر اوڑھ کر دھوپ بانٹوں ثمر
سب پرندے گئے چھوڑ کر اب کسی کا سہارا نہیں

☆☆☆

غم انسان کا ایک ایسا ساتھی ہے جو ہر حال میں انسان کے پاس رہتا ہے لیکن کبھی باہر آ جاتا ہے اور کبھی دور سے انسان کو دیکھتا رہتا ہے۔ بہر حال کبھی بھی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتا ہے۔ انسانی زندگی کا اہم پہلو غم ہے۔ جب انسان کو کوئی مسرت ہوتی ہے تو خوش ہو جاتا ہے اور جب دکھ درد ملتا ہے تو غمگین و مایوس ہو جاتا ہے۔ نسیم نکہتؔ کی شاعری میں غم کا پہلو زیادہ دیکھنے کو ملتا ہے کیوں کہ انھوں نے ابتدا ہی سے زندگی میں بہت درد والم جھیلا ہے۔ ذاتی زندگی نے انھیں بہت مایوس کیا ہے اور اپنے وطن سے دور ہونے کا غم، مٹتی تہذیب کا غم، ذریعۂ معاش کا غم وغیرہ ایسے غم ہیں، جن سے نسیم نکہتؔ کا پالا پڑا تھا اور ان سب کو انھوں نے اپنی شاعری میں جگہ دینے کی کوشش کی ہے۔ بقول نسیم نکہتؔ ؎

☆☆☆

ظلمتِ شب کی قسم کھائی ہوئی ہو جیسے
شمع خاموش ہے شرمائی ہوئی ہو جیسے

☆☆☆

آپ کے ہجر میں یہ گہرے اندھیرے یہ سکوت
رات کی آنکھوں میں نیند آئی ہوئی ہو جیسے

☆☆☆

یہ زندگی بھی ہے سُکھ اور دکھ کی اِک زنجیر
جُڑے ہوئے ہیں مسّرت سے غم کے افسانے

☆☆☆

جب بھی اُدھر گئی میں وہی حادثہ مِلا
قربت کے باوجود بھی اِک فاصلہ مِلا

☆☆☆

شامِ غمِ فراق کا عالم نہ پوچھئے
ہر لمحہ مجھ کو زیست کا دم توڑتا مِلا

☆☆☆

پھر تم سے بچھڑنے کا مجھے غم نہیں ہوتا
دو چار قدم چل کے اگر کھو گئے ہوتے

نسیم نکہتؔ روزمرہ زندگی کے حالات وواقعات سے مایوس نظرآتے ہیں۔ انھیں اپنا حال اجنبی سا لگنے لگا تھا۔انھیں زندگی کی آپادھاپی انھیں ایک دوڑ معلوم ہوتی تھی، جس میں وہ کسی بھی صورت میں حصہ نہیں لینا چاہتی ہیں۔انھیں موجودہ دور کی بربریت اور ظلم سے ڈرلگتا ہے اس لیے وہ ماضی کو پرسکون زندگی سے تعبیر کرتی ہیں۔چند اشعار ملاحظہ ۔

میرے ماضی کی یادیں سلگتی ہیں یوں
جیسے پت جھڑ میں سب پتّیاں جل گئیں

☆☆☆

یوں کرو کچھ کہ اندھیروں میں کوئی شمع جلے
روز ماضی کے اجالوں کا حوالہ مت دو

☆☆☆

کس قدر تیز ہیں یادوں کی ہوائیں نکہتؔ
میرے ماضی کے جو اوراق اڑا دیتی ہیں

☆☆☆

کہاں پہ بچھڑے نہیں یاد، یاد ہے اتنا
ادھورے رہ گئے پچھلے جنم کے افسانے

بالا اشعار سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ نسیم نکہتؔ کو ماضی سے کس طرح کی الفت تھی۔وہ یہ بات جان گئی تھیں کہ حقیقت میں دنیا نے ترقی کی ہے لیکن ساتھ ہی انسان کو بہت ساری پریشانیوں میں مبتلا کردیا ہے۔

فنی جائزہ

نسیم نکہتؔ کی شاعری کے مطالعے کے بعد یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انھیں زبان وبیان پر بھرپور قدرت حاصل ہے۔ان کا اسلوب صاف وشفاف اور واضح ہے۔انھوں نے کلاسیکی سے مابعد جدیدیت تک اردو شعر وادب میں بہت ساری تبدیلیاں رونماں ہوتے دیکھا۔لیکن اپنی شاعری کو ان تحریکات ورجحانات کے منفی اثرات سے ہمیشہ بچا کے رکھا اور اپنے اسلوب کو مبہم اور فیشن پرست ہونے نہیں دی۔انھیں ڈکشن پر بھی خاصی دسترس حاصل تھی۔انھیں کلاسیکی اصطلاحوں سے بے حد لگاؤ ہے لیکن جہاں جہاں انھیں یہ ضرورت محسوس

ہوئی کہ جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے اثر سے جو اصطلاحیں، علامت اور استعارے سامنے آئی ہیں ان سے انھوں نے فائدہ اٹھانے کی بھرپور کوشش بھی کی لیکن کبھی زیادہ جدید بننے کی کوشش نہیں کی۔

نسیم نکہتؔ کی شاعری میں جہاں ایک طرف موضوعات کا تنوع ہے وہیں دوسری طرف ان کے یہاں اسلوب وتکنیک میں بھی جدت نظر آتی ہے۔انھوں نے اپنی شاعری کو دلکش بنانے کے لیےتشبیہات واستعارات اور علامتوں کومؤثر انداز میں استعمال کیا ہے۔ ذیل میں ان کےفن کا مطالعہ پیش ہے۔

تشبیہات

تشبیہ کے عام معنی ہیں ایک چیز کوکسی دوسری چیز کے مانند قرار دینا۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ دنیا میں کوئی دو چیزیں ایک دوسرے سے بالکل مماثل نہیں ہوتیں مگر بعض پہلوؤں میں ایک دوسرے سے مطابقت ضرور رکھتی ہیں۔شمس الرحمٰن فاروقی ’’درس بلاغت‘‘ میں تشبیہ کی تعریف کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں:

> ’’تشبیہ کے معنی ہے ’’باہمی مشابہت‘‘جب کسی مشابہت کے باعث ایک چیز کو دوسری چیز سے مشابہ قرار دیا جائے تو (چاہے اس میں مشابہت کی وجہ کا اظہار ہو یا نہ ہو) اسے تشبیہ کہتے ہیں۔‘‘ 8

نسیم نکہتؔ کے یہاں تشبیہات کا تنوع نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں عشقیہ موضوعات زیادہ نہیں ہے۔ بسا اوقات ان کے یہاں روایتی تشبیہات بھی دیکھنے کو مل جاتی ہیں، ملاحظہ کیجیے:

سفر میں عمر کٹی سوچ بھی نہیں پائے
تھی اتنی دھوپ جہاں کوئی سائباں بھی تھا

☆☆☆

گئے بہار کے دن چاہتوں کے موسم جب
بدن گلاب سے اور عطر سے پسینے تھے

☆☆☆

اس شعر میں انھوں نے محبوب کے بدن کو گلاب سے اور پسینے کو عطر سے تشبیہ دی ہے۔ایک اور عمدہ تشبیہ ملاحظہ ہو۔

پھول ہے چاند ہے یا ہے ترا چہرہ کیا ہے
حافظے میں مرے رہ رہ کے چمکتا کیا ہے

☆☆☆

شاعرہ نے اس شعر میں محبوب کو پھول اور چاند سے تشبیہ دی ہے جو مہکتا اور رات میں چمکتا رہتا ہے تو کتنا بھلا معلوم ہوتا ہے۔اسی طرح ایک اور تشبیہ دیکھئے۔

☆☆☆

مدتوں اِک چبھن سی رہتی ہے

تیری نظروں کا وار تیر سا ہے
روز دیتا ہے مجھ کو گل نکہتؔ
ایک لڑکا بہت شریر سا ہے

☆☆☆

اس شعر میں نسیم نکہتؔ نے روایتی تشبیہ سے کام لیا ہے اور اپنے محبوب کی نظر کو تیر اور ایک شریر لڑکے کے مماثل قرار دیا ہے۔اسی سے ملتی جلتی تشبیہ ملاحظہ ہو۔

خواب کوئی تو مکمل ہوتا
تو مری آنکھ کا کاجل ہوتا

☆☆☆

یہ بھی روایتی تشبیہ ہے۔یہاں شاعرہ محبوب کو کاجل سے تشبیہ دی ہے۔عاشق کے دل کی کیفیت کے اظہار کے یہ شعر دیکھئے۔

میں پناہوں میں اسی کی رہتی
وہ مرے سر پہ جو آنچل ہوتا
جب بھی تنہائی کے لمحے آتے
سامنے بیتا ہوا کل ہوتا

☆☆☆

اس شعر میں شاعرہ نے اپنے دلی جذبات و کیفیات کو اس طرح پیش کیا ہے کہ اس میں آپ بیتی کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔

نسیم نکہتؔ کو زندگی نے بہت سارے دکھ درد دیے تھے۔اس لیے انھیں زندگی گلشن سے خار سے کم معلوم نہیں ہوتی تھی۔ جسے انھوں نے زندگی کے دکھ درد کو ایک رباعی میں خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ بند ملاحظہ کیجئے۔

☆☆☆

زندگی کے گلشن سے خار ہم نے پائے ہیں
آپ سن نہ پائیں گے اتنے غم اٹھائے ہیں

☆☆☆

دشمنوں کی کیا کہئے دوستوں نے لوٹا ہے
زخم ہم نے کھائے ہیں اور مسکرائے ہیں

اس طرح نسیم نکہتؔ کی شاعری میں دلکش و حسین تشبیہات در آتے ہیں، جو ان کے جذبات و احساسات اور کیفیات کے موثر بیان میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

استعارہ

استعارہ کے لغوی معنی ہے 'مستعار لینا'۔شعری اصطلاحوں میں استعارہ سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی لفظ یا کوئی چیز اپنے حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے تو استعارہ کہلاتا ہے۔

جامع اللغات کی تعریف کے مطابق:

''علم بیان کی اصطلاح میں حقیقی اور مجازی معنوں کے درمیان تشبیہ کا
علاقہ ہونا مضاف الیہ کو مضاف سے تشبیہ ہونے کی حالت میں

مضاف کو استعارہ کہتے ہیں۔''9؎

استعارہ میں مستعار لہ کا ذکر نہیں ہوتا ہے اور صرف مستعار منہ پر ہی اکتفا کرنا پڑتا ہے۔استعارہ ایک محدود دنیا سے نکال کر شعر کو معنی کی تکثیریت عطا کرتا ہے اور جس سے شعر کو وسعت ہوتی ہے۔

نسیم نکہتؔ کے یہاں استعارات کا تنوع نظر آتا ہے لیکن اُن کے یہاں مبہم استعارے استعمال نہیں ہوئے ہیں بلکہ واضح استعارہ جن کے معنی تھوڑا سا غور کرنے کے بعد واضح ہو جاتے ہیں۔ان کے دو مجموعے''دھواں دھواں''اور''خواب دیکھنے والو!''میں غزل کے علاوہ نظم میں استعارے اکثر پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر''نظام''،''خوشبو کا قرض''،''مصروفیت''،''چغلی''،''مسیحائی''،''پہلا خواب''،''تھری اسٹیچس آف لائف''اور''بیک ورڈس''وغیرہ میں استعارے استعمال ہوئے ہیں۔غزل کے وہ اشعار جن میں استعارہ کا استعمال کیا گیا ہے،بطور نمونہ ملاحظہ کریں۔

ڈھونڈھ رہی ہوں گی دو آنکھیں آس کی اِک قندیل لئے
کچھ بنجارے اِک جنگل میں آگ جلا کر چھوڑ آئے

☆☆☆

وہ روز خاک اڑاتا رہا ہمارے لئے
سزائیں لکھتا گیا آئینہ ہمارے لئے

☆☆☆

اندھیرا اوڑھ کے ہم سو رہے ہیں صدیوں سے

کسی کے پاس نہیں اِک دیا ہمارے لئے

☆☆☆

بدن سرائے میں جگنو کہاں سے آنکلا

کرائے دار یہ دل کا مکیں نہ ہو جائے

☆☆☆

نسیم نکہتؔ کی شاعری میں ماضی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔انھوں نے زندگی کے ہر موڑ پر اپنے ماضی کو یاد کیا ہے۔ذیل کے شعر میں انھوں نے اپنے وطن شہر لکھنؤ کو اہلِ زبان کے نام سے یاد کیا ہے:

☆☆☆

مرے لکھنؤ تری شکل کتنی بدل گئی

یہ جو شہر اہلِ زبان تھا سو نہیں رہا

☆☆☆

گاؤں کی یادیں دبے پاؤں آجاتی ہیں

ہم اندر سے آج تلک دیہاتی ہیں

☆☆☆

نسیم نکہتؔ نے ’’سفر‘‘ کو زندگی کا استعارہ بنایا ہے۔یعنی ہر کوئی یہاں سفر میں ہے اور ہر کوئی منزل کی طرف رواں دواں ہے ٹھیک اسی طرح زندگی بھی ایک سفر کی طرح ہے جس کا آخری پڑاؤ موت ہے۔شاعرہ اپنے مسائل سے پریشان ہے۔اس لیے اسے اپنی زندگی

کا یہ سفر دشوار لگ رہا ہے کیوں کہ اسے اتنے دکھ درد ملے ہیں کہ اس میں آگے سفر کرنے کا حوصلہ باقی نہ رہا اور وہ موت کی آغوش میں جانا چاہتی ہے۔ چنانچہ شاعر کا کہنا ہے۔

☆☆☆

سفر کا حوصلہ کافی ہے منزل تک پہنچنے کو
مسافر جب اکیلا ہو تو راہیں بات کرتی ہیں

☆☆☆

ابھی سے حوصلے تھکنے لگے ہیں
سفر میں کس قدر دشواریاں ہیں

☆☆☆

واپسی کا سفر ہے نا ممکن
میں نے سب کشتیاں جلا دی ہیں

☆☆☆

تمام عمر سفر میں رہا مرا چہرہ
اسی لئے تو یہ آئینہ گرد گرد ہوا

☆☆☆

نسیم نکہتؔ کی شاعری میں جہاں ایک طرف دکھ درد کا بیان ہے۔ وہیں دوسری طرف غم اور دکھوں سے لڑنے کا حوصلہ بھی نظر آتا ہے۔

☆☆☆

آتی جاتی خوشیاں ہوں جاتے ہوئے غم بھی ہوں
اس سال میں تم بھی ہو اس سال میں ہم بھی ہوں

☆☆☆

مِلیں جو تم سے تو پھر پال لیں جدائی کا غم
ہم اپنی روح کو پھر عذاب کیا دیتے

☆☆☆

دل کے سوئے ہوئے زخموں کو جگا دیتی ہیں
تیری یادیں مرے غم اور بڑھا دیتی ہیں

☆☆☆

نسیم نکہتؔ کو اپنے حالات و مسائل سے ڈر لگتا ہے۔ کیوں کہ وہ اتنے مسائل سے جوجھ رہی ہیں کہ انھیں خود اپنے آپ سے ڈر لگنے لگا ہے۔ چنانچہ وہ استعاراتی انداز میں کہتی ہیں:

☆☆☆

روپ ہی بدل ڈالا گردشِ زمانہ نے
کس قدر بناوٹ ہے سادگی کے چہرے پر

☆☆☆

یہاں انھوں نے گردشِ زمانہ کو اپنے حالات و مسائل کے طور پر استعمال کیا ہے۔

آج کے دور کا یہی المیہ ہے کہ یہاں آج کا انسان تنہا رہنا ہی پسند کرنے لگا ہے

اس لیے آج کی نسل کے لیے انھوں نے کہا ہے ۔

راہ اکیلی منزل تنہا
اور مسافر اِک دل تنہا

☆☆☆

ان کے ساتھی محفل محفل
ہم ہیں منزل منزل تنہا

☆☆☆

نسیم نکہتؔ نے بڑی اور چھوٹی دونوں بحروں میں طبع آزمائی کی ہے۔ان کی ایک غزل جو بڑی بحر میں ہے وہ دراصل عام طور پر اس طرح کی غزل کو شعرا نے چھوٹی بحر میں لکھا ہے۔جس سے شاعری میں سہل ممتنع بھی پیدا ہو جاتا ہے اور معنی میں بلندی کے ساتھ معنیٰ آفرینی پیدا ہو جاتی ہے۔بڑے بحر میں ان کی غزل کا ایک شعر ملاحظہ کریں ۔

تشنگی میری تقدیر ہے میرا بادل سلامت رہے
کوئی سایہ نہیں ہے تو کیا سر پہ آنچل سلامت رہے

☆☆☆

اس شعر کو اگر چھوٹے بحر میں اس طرح پڑھیں ۔

تشنگی میری تقدیر ہے
میرا بادل سلامت رہے

☆☆☆

کوئی سایہ نہیں ہے تو کیا

سر پہ آنچل سلامت رہے

☆☆☆

نسیم نکہتؔ نے پروین شاکر کی طرح ایک غزل میں Common Sense یعنی Transfer from One Genration to another Genration عام خیال جو نسل در نسل منتقل ہو جاتا ہے اور بعد میں اس کو دھوکہ فریب کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کی ہیں۔ غزل ملاحظ کیجئے۔

ترے خیال سے تنہائیاں سجاتی ہوں
میں بادلوں سے بھی چہرہ ترا بناتی ہوں

☆☆☆

وہ چھیڑ چھاڑ کا موسم تو تیرے ساتھ گیا
میں اب بھی مٹی کا چھوٹا سا گھر بناتی ہوں

☆☆☆

وہ آنے والے ہیں میں گھر سجاؤں کیا پہنوں
ادھیڑ بُن میں کئی کام بھول جاتی ہوں

☆☆☆

وہ تھوڑی دیر کو مل جائے دیکھنے کو اگر
میں اس کی آنکھوں سے جگنو سمیٹ لاتی ہوں

☆☆☆

فریب کھائے تھے معصومیت میں کچھ میں نے

اب اپنی بیٹی کو وہ تجربے بتاتی ہوں

☆☆☆

وہ جبر کرتا ہے اور میں خود اپنے دل کے خلاف
کسی کھِلونے کی مانند ٹوٹ جاتی ہوں

☆☆☆

نہ کوئی آیا نہ آئے گا لوٹ کر لیکن
چراغ شام سے دہلیز پر جلاتی ہوں

☆☆☆

نسیم نکہت نے اپنے تمام مجموعوں کی ابتدا حمد اور نعت کے اشعار سے کی ہے۔یعنی اللہ کی حمد وثنا اور اس کے رسول کی تعریف اور عظمت کو بیان کیا ہے۔شعری مجموعہ ''خواب دیکھنے والو!'' میں جو اللہ کی حمد وثنا اور اس کی صفات بیان کی ہیں وہ لہجہ استفہامیہ میں ہے۔اس میں لفظِ ''کون'' کو حمد کے لیے مزید حسن پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ابتدا کے اشعار میں حسنِ تعلیل ہے۔اس کے علاوہ قدرت کے نقش ونگار اور تخلیقات کی مدح سرائی کی گئی ہے۔حمد اور نعت کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ۔

شام آتی ہے تو یہ شمعیں جلا دیتا ہے کون
آسماں پر چاند تاروں کو سجا دیتا ہے کون

☆☆☆

صبح ہوتے ہی جلا دیتا ہے مشعل کی طرح
شام کو دریا میں یہ سورج بجھا دیتا ہے کون

☆☆☆

خوبصورت وادیاں جھرنے یہ دریا یہ پہاڑ
کینوس پر دلنشیں منظر بنا دیتا ہے کون

☆☆☆

کوئی ہے لیکن کہاں ہے یہ نظر آتا نہیں
آگ پانی روشنی مٹی ہوا دیتا ہے کون

☆☆☆

لبوں پہ ہے نبیِ آخرالزماں کی گفتگو
زمین کر رہی ہے آج آسماں کی گفتگو

☆☆☆

مدینہ آگئے تو پھر مدینہ ہی مدینہ ہے
کرو نہ اس دیار میں یہاں وہاں کی گفتگو

☆☆☆

فلک پہ بولا خاکِ پائے مرکبِ رسول ہے
نہ رہ گزر کا تذکرہ نہ کارواں کی گفتگو

☆☆☆

ہمارے واسطے حضور ساری کائنات ہے
نہ نسل نو کا ذکر ہے نہ رفتگاں کی گفتگو

حسنِ تعلیل

تعلیل بمعنی ''وجہ متعین کرنا'' یا ''وجہ بیان کرنا'' کے ہیں۔حسن تعلیل اس عمل خوبی اور ندرت کی مثال ہے کہ کسی چیز کے لیے کوئی ایسی وجہ بیان کی جائے یا کوئی ایسی وجہ متعین کی جائے جو چاہے وہ واقعی ہو یا نہ ہو مگر اس میں کوئی نہ کوئی شاعرانہ جدّت و نزاکت پائی جاتی ہے اور بات واقعہ اور فطرت سے مناسبت بھی رکھتی ہو تو اسے حسن تعلیل کہتے ہیں۔

نسیم نکہت کے یہاں حسن تعلیل کے بہترین اشعار بھی پائے جاتے ہیں۔حسن تعلیل کے چند اشعار ملاحظہ کریں۔

صبح تک چاند ٹکڑے ٹکڑے تھا
توڑ دیں شب نے چوڑیاں اپنی

☆☆☆

ہستی کے اوراق بھی اکثر ایسے بکھرا کرتے ہیں
جیسے پت جھڑ میں پیڑوں سے پتّے ٹوٹا کرتے ہیں

☆☆☆

حصار ذات میں کیا چاندنی اترتی ہے
مہکنے لگتے ہیں چہرے پہ جب حجاب کے پھول

☆☆☆

شام آتی ہے تو یہ شمعیں جلا دیتا ہے کون
آسماں پر چاند تاروں کو سجا دیتا ہے کون

صنعت تلمیح

جب شاعر شعر میں کسی تاریخی و مذہبی جگہ، مقام، شخصیت یا واقعہ کی طرف شعر میں اشارہ کرتا ہے تو اسے تلمیح کہتے ہیں۔ نسیم نکہتؔ یوسف اور زلیخا کو شعری قالب میں ڈھال کر عہد حاضر کے معاشرے پر طنز کرتے ہوئے اشارہ کرتی ہیں۔

آج یوسف ہے خریداروں کی صف میں نکہتؔ
اور زلیخا ہے کہ بازار تک آ پہنچی ہے

☆☆☆

ایک شعر میں نسیم نکہتؔ حضرت ابراہیم کے واقعے کو تلمیح کے طور پر خوبصورت انداز میں پیش کرتی ہیں۔

خوف یہ ہے کوئی آذر نہ اِدھر آ نکلے
ناتراشیدہ بتوں کو کہیں کچل کر رکھ دے

☆☆☆

نسیم نکہتؔ کے یہاں واقعہ کربلا کی تلمیح بھی نظر آتی ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔

شہید کربو بلا تیری آبیاری سے
کھلے ہیں دامنِ مذہب میں انقلاب کے پھول

☆☆☆

وہ واقعہ کربلا کی تلمیح ہے جس میں بہتر نفوسِ قدسیہ کو شہید کر دیا گیا تھا اور نسیم نکہتؔ نے اس شعر میں تلمیح کے ذریعہ عصر حاضر کے سیاست دانوں کے مظالم کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ایک اور تلمیح کا شعر ملاحظہ کیجئے۔

دل سے اٹھے تو لعل یمن کی طرح تھے اشک
پلکوں پہ آکے درِّ نجف ہوکے رہ گئے

مراعات النظیر

مراعات النظیر کی تعریف یوں ہے کہ کلام میں ایسے الفاظ جمع کیے جائیں جن کے معنی میں ایک دوسرے کے ساتھ ایک نسبت واقع ہو مگر یہ نسبت تضاد وتقابل کے مماثلت نہ ہو تو اسے مراعات النظیر کہیں گے۔

نسیم نکہتؔ کی شاعری میں مراعات النظیر کے اشعار بھی ملتے ہیں۔اس تعلق سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

مدینے کے لئے نبی کا عشق زادِ راہ ہے
نہ رہ گزر کا تذکرہ نہ کارواں کی گفتگو

☆☆☆

فلک یہ بولا خاکِ پائے مرکبِ رسول ہے
ستارے کر رہے تھے رات کہکشاں کی گفتگو

☆☆☆

اس کی دیوار سے ٹکرا کے صدا لوٹ آئی
اس کو شاید مرے نغموں کی ضرورت ہی نہ تھی

☆☆☆

نئی کتابیں ہیں تبدیلیوں کا موسم ہے
بدل رہے ہیں زمانے میں پھر نصاب کے پھول

رعایت لفظی

رعایت لفظی دراصل اس کو کہتے ہیں کہ شعر میں ایسے الفاظ لائے جائیں جو آپس میں مناسبت رکھتے ہوں تو اسے رعایت لفظی کہتے ہیں۔ رعایت لفظی کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے ۔

ہمیں یقین ہے اک روز پھر سے مہکیں گے
ہماری آنکھوں کی انگنائیوں میں خواب کے پھول

☆☆☆

سوالِ تشنہ لبی بے کراں سمندر سے
وہ دے کے چل دیا ہاتھوں میں کچھ سراب کے پھول

ان اشعار میں مہکیں، پھول ،تشنہ لبی ،سمندر ،سراب وغیرہ تمام الفاظ ایک ہی رعایت اور مناسبت کے ہیں۔

صنعت اشتقاق

شعر میں ایسے الفاظ لائے جائیں جوایک ہی مادے سے مشتق ہوں تو اسے صنعت اشتقاق کہتے ہیں۔صنعت اشتقاق کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

بس احترام میں پنجرے کے پر سمیٹے ہوں
جو پر پسار دوں پنجرے کی تیلیاں اڑ جائیں

☆☆☆

پھر رہی ہوں اس کی آنکھیں اپنی آنکھو میں لئے
اس کے چہرے کے مقابل آئینہ کیا چیز ہے

☆☆☆

چاند ہنستا تھا اپنے آنگن میں
چاندی جیسے محوِ حیرت تھی
ہر سمت تیری چاندنی بدنام ہو چکی
اے چاند لوٹ آ کہ یہاں شام ہو چکی

☆☆☆

صنعت تضاد

جس کلام میں دویادو سے زیادہ ایسے معنی اکٹھا ہوں جوایک دوسرے کی ضد ہوں تو اسے صنعت تضاد کہتے ہیں۔نسیم نکہتؔ نے بھی صنعت تضاد کا اپنے اشعار میں استعمال

کیا ہے۔صنعت تضاد کی چند مثالیں ملاحظہ کیجیے۔

مدینہ آ گئے تو پھر مدینہ ہی مدینہ ہے
کرو نہ اس دیار میں یہاں وہاں کی گفتگو

☆☆☆

نبی کا ذکر لفظ کو نوازتا رہے
شدید دھوپ میں کروں میں سائباں کی گفتگو

☆☆☆

عجیب معرکۂ خیر و شر کا منظر ہے
قدم قدم پہ ہیں بکھرے ہوئے عذاب کے پھول

☆☆☆

بے کفن جسم سے جب روح کا رشتا ٹوٹا
دن نمودار ہوا رات کا لہجہ ٹوٹا

☆☆☆

ہے عجیب موڑ پہ زندگی نہ تو غم رہا نہ خوشی رہی
نہ غرور ہے نہ سرور ہے نہ عروج ہے نہ زوال ہے

☆☆☆

ان اشعار میں یہاں وہاں، دھوپ سائباں، خیر وشر، دن رات، غم خوشی، غرور سرور، اور عروج زوال وغیرہ جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔نسیم نکہتؔ کے یہاں اس طرح کی کئی

مثالیں نظر آتی ہیں۔

صنعت تکرار

جب شعر میں لفظ مکرر لائے جائیں اور لفظوں کی تکرار سے اصوات کی بھی تکرار ہو تو اسے صنعت تکرار کہا جاتا ہے۔ نسیم نکہتؔ نے صنعت تکرار کے ذریعے اپنے کلام کی دلکشی میں اضافہ کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کریں۔

ان کے ساتھی محفل محفل
ہم ہیں منزل منزل تنہا

☆☆☆

میں خواب دیکھ رہی تھی مگر نہ جانے کیوں
سہم سہم سی گئیں میری جاگتی آنکھیں

☆☆☆

گھڑی گھڑی مرا چہرہ بدلتا رہتا ہے
قدم قدم پہ میں کس کس سے آئینہ مانگوں

☆☆☆

لفظ لفظ بکھرے ہیں، لہجہ لہجہ ٹوٹے ہیں
زخم ہیں مسائل کے شاعری کے چہرے پر

☆☆☆

دھندلی دھندلی مٹی مٹی تصویر
اس میں اپنی بھی کچھ شباہت تھی

☆☆☆

مہکی مہکی سی تنہائیاں بہکی بہکی سی انگڑائیاں
گفتگو کا پھر انداز بھی اس قدر شاعرانہ ہوا

☆☆☆

ان اشعار میں محفل محفل ،منزل منزل ،سہم سہم ،گھڑی گھڑی ،قدم قدم ،کِس کِس ،لفظ لفظ ،لہجہ لہجہ ،دھندلی دھندلی ،مٹی مٹی ،مہکی مہکی ،بہکی بہکی وغیرہ صنعت تکرار کی مثالیں ہیں۔

غرض کہ نسیم نکہتؔ اپنے اشعار میں تشبیہات ،استعارے ،علامتوں اور صنعتوں کے استعمال کے ذریعے اپنے اسلوب کو دلکش وجاندار بنا کر پیش کیا ہے۔ انھوں نے مناسب تشبیہات واستعارات اور علامت سے اپنی شاعری کو ایک نیا رنگ وآہنگ عطا کیا ہے۔ جس طرح جدید شاعروں نے مبہم اور غیر موزوں لفظوں کا استعمال کیا ہے اس سب سے نسیم نکہتؔ کی شاعری پاک ہے۔ انھوں نے اپنے اسلوب اور ڈکشن کو نہایت سلیس انداز میں برتنے کی کوشش کی ۔ان کی شاعری صرف دل پر اثر انداز نہیں کرتی بلکہ غور وفکر کی دعوت بھی دیتی ہے۔ انھوں نے بیک وقت دونوں اصناف غزل اور نظم کو ساتھ ساتھ آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ حالاں کہ دونوں اصناف کو آگے بڑھانا بہت مشکل فن ہے لیکن انھوں نے اپنی ایک الگ راہ اختیار کر کے غزل اور نظم کو وسعت دی ۔ان کو علم عروض پر بھی قدرت حاصل ہے۔ انھوں

نے اپنے اشعار میں چھوٹی اور بڑی دونوں بحروں سے کام لیا ہے۔غرض وہ کہ نسیم نکہت کی شاعری کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عصر حاضر کے جدید شعرامیں اپنی انفرادی پہچان رکھتی ہیں جس طرح سے وہ موضوعات پر دسترس رکھتی ہیں۔اسی طرح اسلوب وتکنیک کے اعتبار سے بھی کامیاب نظر آتی ہیں۔انھوں نے اپنی شاعری میں جدید موضوعات کو کلاسیکی رچاو کے ساتھ پیش کیا ہے۔ان کے یہاں عصر حاضر کے بے شمار مسائل ملتے ہیں۔خصوصاً ماضی کی یاد،قدروں کی پامالی،حب الوطنی، بزرگوں کا احترام مٹتی ہوئی تہذیب کا نوحہ کے تنہائی کا کرب اور دنیا کی بے ثباتی کے علاوہ بعض سیاسی موضوعات بھی نظر آتے ہیں۔مثلاً سیاسی رہنماؤں کے مظالم،فسادات ،دہشت وخوف بھرا ماحول وغیرہ کی انھوں نے اپنے اشعار کے ذریعے عمدہ عکاسی کی ہے۔اسلوب وتکنیک کے تجربے بھی انھوں نے کیے ہیں۔فرد کے مسائل کے علاوہ عصر حاضر کے مسائل کی عکاسی کے لیے انھوں نے عمدہ تشبیہات واستعارے کے علاوہ عمدہ علامتوں کا بھی استعمال کیا ہے۔اپنے کلام کو حسن بخشنے کے لیے انھوں نے بعض اہم صنعتیں بھی استعمال کی ہیں۔غرض نسیم نکہت نے کلاسیکی وجدیدیت دونوں طرح کے رچاؤ سے اپنے کلام میں مزید حسن پیدا کر دیا ہے۔ان کے یہاں عصری آگ وآگہی کے ساتھ فن کی پختگی بھی پائی جاتی ہے۔ وہ بے حد حساس شاعرہ ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں ہمیں جا بجا نزاکت خیال کا احساس ہوتا ہے۔ یہ وہ صفات ہیں،جس نے ان کی شاعری کو نئی جہات سے روشناس کر دیا ہے۔

حوالہ جات

(1) جدید اردو شاعری اور خلیل الرحمٰن اعظمی، مظہر احمد، ص۔50
(2) نسیم نکہت، ''خواب دیکھنے والو!''ص10
(3) 'دھواں دھواں' از قمر رئیس، مشمولہ آج کل 'نئی دہلی ، جون 1985ء، ص47
(4) نسیم نکہت''میرا انتظار کرنا''ص10
(5) 'دھواں دھواں' از قمر رئیس، مشمولہ آج کل' نئی دہلی، جون1985ء، ص47
(6) ایضاً، ص47
(7) ایضاً، ص47
(8) شمس الرحمٰن فاروقی ''درس بلاغت''ص20
(9) جامع اللغات، ص190، بحوالہ جدید غزل کی علامتیں، ڈاکٹر نجمہ رحمان، ص11

ماحصل

ماحصل

موجودہ شعری منظرنامے پر ابھرتی ہوئی شاعرات میں ایک اہم نام نسیم نکہت کا ہے۔ نسیم نکہت ۱۹۵۸ صوبہ اتر پردیش کے ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئیں مگر ان کی پرورش و پرداخت لکھنو کے ایک ادبی گھرانے میں ہوئی۔ ابھی وہ ہائی اسکول میں ہی تھیں کہ ان کی شادی ہوگئی باوجود اس کے انہوں نے تعلیمی سلسلہ منقطع نہیں کیا اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعلیٰ تعلیم لکھنو یونیورسیٹی سے حاصل کی۔ اس کے بعد کئی برسوں تک راشٹریہ سہارا میں صحافی کی حیثیت سے کام کرتی رہیں۔ جب انہوں نے شاعری کا آغاز کیا تو اپنے سسر کی ہدایت پر ماہر لکھنوی سے مشورۂ سخن کیا لیکن جلد ہی ذہنی اور فکری اور مزاج کی ہم آہنگی نہ ہونے کے سبب اصلاح لینا بند کر دیا۔ مشق و مزاولت کو راہ نما بنایا اور یہی وجہ رہی کہ بہت جلد ان کا شمار منفرد شاعرات میں ہونے لگا جس کے نتیجہ میں انہیں ملک کے معروف شعرا: ملک زادہ منظور، بشیر بدر، کرشن بہاری نور، خمار بارہ بنکوی، وسیم بریلوی، بیکل اتساہی اور مخمور سعیدی جیسے شعرا کے ساتھ مشاعرہ پڑھنے کا موقع ملتا رہا۔ نسیم نکہت نے زندگی کے کئی معرکہ سر کئے ہیں۔ وہ نشیب وفراز سے گذرتی ہوئی زندگی کے رنج و غم مسرت وشادمانی کو شعری قالب میں ڈھال کر اپنی تنہائی کو دور کرتی رہتی ہیں۔ اب تک ان کے پانچ شعری مجموعے کلام ''دھواں دھواں''، ''بھیگی پلکیں''، ''خواب دیکھنے والو!''، ''میرا انتظار کرنا''، ''پھولوں کا بوجھ'' منظر عام پر آ چکے ہیں۔ نسیم نکہت کو اس بات کا احساس اور ادراک ہے کہ شعر گوئی مشکل فن ہے۔

نسیم نکہت کا شمار عہد حاضر کے ان توانا آوازوں میں ہوتا ہے۔ جو نسائیت کے تحفظ اور تانیثیت کی بقاء کے لئے اٹھی تھیں۔ ان کا نسائی لہجہ بہت توانا ہے بلکہ بعض دفعہ تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ تحریک نسواں

کی نہ صرف علم بردار ہیں بلکہ امام ہیں۔ان کے اشعار میں جا بہ جا ہمیں ایسے افکار وخیالات کا اظہار ملتا ہے جن سے ان کے تانیثی فکر ور جحان پر روشنی پڑتی ہے۔ان کی نظموں میں خاص طور پر یہ آوازیں زیادہ واضح طور پر سنائی دیتی ہیں۔

ان کی شاعری میں اندرون ذات کا خلا پوری طرح نمایاں ہوکر ہمارے سامنے آتا ہے، زندگی میں انہوں نے جتنی صعوبتوں اور کلفتوں کو گوارا کیا ہے ان سب کا اظہار بڑے ہی لطیف اور طنز کے پیرائے میں انہوں نے اپنی شاعری میں بیان کر دیا ہے۔ زندگی کی محرومیوں اور تشنہ کامیوں کے سبب وہ اندر سے بالکل ٹوٹ گئی تھیں جس کا برملا شکوہ اشعار مین جا بجا کیا ہے۔

زندگی کے دورخے پن، بے ثباتی حیات اور وقت کے ستم کی بھی وہ شاکی ہیں۔انہیں اس بات کی بھی شکایت ہے کہ لوگ اپنی فطرت بدل کر وقت کے دوست کیوں کر اور کس طرح ہو جاتے ہیں اور اپنی سادہ طبیعت کا روپ بدل دیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہر شخص کے دو چہرے نظر آتے ہیں وہ جب چاہتا ہے شکل بدل لیتا ہے۔

ان کی شاعری میں سوز وگداز، دردمندی، آرزومندی، حسن وعشق جیسے رنگ بھی دیکھنے کو ملتے ہیں لیکن ایک رنگ جو غالب رہا ہے وہ بے بسی، محرومی، لاچاری، نارسائی، بے دلی اور بیزاری اور تنہائی کا سرمئی رنگ جو کہیں کم ہے اور کہیں زیادہ ۔نسیم نکہت کے یہاں محرومی، لاچاری، نارسائی اور تنہائی جیسے موضوعات دیکھنے کو اکثر ملتے ہیں، اس کے پیچھے ان کی زندگی کی وہ تلخ حقیقتیں ہیں جن سے وقتاً فوقتاً زندگی میں جوجھتی رہیں۔

وہ ایک روایت پسند شاعرہ ہیں ان کی شاعری اپنی روایت اور قدیم تہذیب کی پاس دار ہے انہوں نے تہذیبی اقدار اور اپنی فکری رویے کے اظہار کے لیے شعری پیرائے کو خوبصورت وسیلہ بنایا ہے۔فکری اور فنی اعتبار سے معرض وجود میں آنے والے رجحانات کے مثبت فکر اور خیال کو اختیار کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کا فکری کینوس قدیم وجدید افکار وخیالات سے ہم آہنگ ہوکر ایک دلکش شعری اظہار بن گیا ہے۔

حالاں کہ انہوں نے جدیدیت سے کبھی منہ نہیں موڑا۔ باوجود اس کے وہ جدیدیت سے نالاں نظر آتی ہیں۔ انہیں اپنے تہذیبی ورثے کے معدوم ہو جانے اور اقدار کے مٹنے کا شدید احساس بھی ہے۔ جس کا خوبصورت بیان ان کے یہاں ہمیں ملتا ہے۔

ان کی شاعری میں بے ساختگی سادگی اور سلاست کا عنصر نمایاں ہے۔ وہ خواہ مخواہ کی صناعی اور تکلف سے بہت دور رہتی ہیں۔ کبھی کبھی ان کے الفاظ میں کھردراپن بھی آجاتا ہے۔ لیکن تجربات کی تہہ داری کو ادا کرنے کے لئے الفاظ کا انتخاب کرنا بھی بذات خود ایک کمال ہے۔ جس کے سامنے لفظوں کے کھردرے پن کی حیثیت کم ہو جاتی ہے۔ دل کی واردات کا اظہار انہوں نے صاف گوئی اور واضح پیرائے بیان میں کیا ہے۔ ان کے یہاں ابہام، مشکل الفاظ اور خیالات آئینے کی صورت میں رقم ہوئے ہیں۔

نسیم نکہت کا کمال یہ ہے کہ وہ ایک خاتون ہوتے ہوئے بھی عالمی منظرنامے پر نظر رکھتی ہیں۔ اور دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے ان واقعات وحالات کو شعری زبان میں ڈھالنے کی خوبصورت کوشش بھی کرتی ہیں۔ وہ دنیا میں ہونے والے انسانیت کش واردات سے آزردہ خاطر نظر آتیں ہیں۔ مگر ملک کی معصوم عوام کی طرح وہ بحیثیت شاعرہ بے بس ہیں مگر اس بے بسی کے عالم میں بھی انہوں نے اپنے جرات اظہار کا سودا نہیں کیا ہے اور نہ ہی اوروں کی طرح تماشائی بنی رہیں۔ بلکہ انہوں نے قلم اٹھایا اور جور وستم کے خلاف آواز بلند کی ہے۔

انہوں نے بہت ساری ادبی تحریکات کو شروع ہوتے، اور عروج تک پہنچتے ہوئے دیکھا ہے لیکن کبھی کسی تحریک سے وابستہ نہیں ہوئیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ مثبت فکر و خیال سے متاثر ہو کر دوسرے افکار و خیالات سے استفادہ ضرور کیا ہے۔

انہوں نے اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی کے لیے اور واردات قلبی کے اظہار کے لیے کسی بھی فکر اور خیال کا سہارا نہیں لیا اور نہ ہی کسی تحریک کے زیر سایہ پرورش لوح وقلم کی بلکہ اپنے دل کی آواز کو اور اپنے فطری جذبات احساسات کو ہی اظہار کا وسیلہ بنایا۔ لیکن بہت بھاری بھر کم تشبیہات، مشکل استعارات کا استعمال نہیں کیا ہے محبوب کی نگاہوں کے لیے ''تیر نظر'' کی ترکیب تو پرانی ہے لیکن محبوب کی شوخیوں کے

لیےانہوں نے’’شریرلڑکے‘‘ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

اسی طرح انہوں نے’’آس کی قندیل‘‘اورتصورمحبوب کے لیے’’جگنو‘‘ کا خوبصورت استعارہ استعمال کیا ہے جس کا استعمال اپنی نوعیت کے اعتبار سے نئے طور سے ہوا ہے۔

حسن تعلیل جیسی صنعتیں ان کے یہاں خال خال ہی نظر آتی ہیں لیکن جہاں بھی انہوں نے ان صنعتوں کو برتا ہے بہت سلیقے سے برتا ہے۔اوراظہار کے برتاؤ کو معراج کمال عطا کر دیا ہے۔

مجموعی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو ان کے شعروں میں جذب وانجذاب کی کیفیت پائی جاتی ہے۔

جب کہ ان کے یہاں چند مخصوص موضوعات ملتے ہیں، بیان و بدیع سے بھی انہیں کوئی خاص شغف نہیں ہے۔اور نہ ہی انہوں نے کچھ نئے تجربات ہی کئے اس کے باوجود ان کی شاعری میں بلا کی جاذبیت ہے۔ انہوں نے جو بھی لکھا ہے خون جگر سے لکھا ہے۔حقیقت حال کے عین مطابق لکھا ہے۔انہوں نے کبھی بھی اپنے جذبات کو مسخ ہونے نہیں دیا وہ حق کو حق کہنے کی حوصلہ رکھتی ہیں۔حالات اور زندگی کے تلخ حقائق سے آنکھ ملانے کی کوشش کرتی ہیں۔ہاں اتنا ضرور ہے کہ شدت اظہار کی آنچ سے فن کی صحت مجروح نہیں ہونے دیتی ہیں۔انہوں نے ہر حال میں صحت فن کا خیال رکھا ہے یہی کمال ہے جو انہیں ہم عصروں سے منفرد کرتا ہے۔

کتابیات

کتابیات

نمبرشمار	مصنف کا نام	کتاب کا نام	مقام اشاعت	سن اشاعت
1	ابوالیث صدیقی، ڈاکٹر	آج کا اردو ادب	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ،	1979ء
2	احتشام حسین، پروفیسر	اردو ادب کی تنقیدی تاریخ	NCPUL، نئی، دہلی	2011ء
3	اسلم پرویز	متاعِ سخن	مطبع مرکزی پرنٹرس، دہلی 6	2009ء
4	اردو اکادمی، دہلی	اردو نظم 1960 کے بعد	ثمر آفسیٹ پریس، دہلی	1995ء
5	بشیر بدر	آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی	1981ء
6	خلیق انجم، مجتبیٰ حسین	ضبط شدہ نظمیں	مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، نئی دہلی	1973ء
7	خلیل الرحمٰن اعظمی	اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک	ایجوکیشنل بک پاؤس، علی گڑھ	1984ء
8	رام آسر راز	اردو شاعری میں قومی یکجہتی کی روایت	مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، نئی دہلی	1977ء
9	شمس الرحمٰن فاروقی	درسِ بلاغت	NCPUL، نئی دہلی	2009ء
10	علی جواد زیدی	اردو میں قومی شاعری کے سو سال	پرکاشن شاکھا محکمۂ اطلاعات اتر پردیش	1959ء
11	غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر	اردو شاعری کا سیاسی و سماجی پس منظر	جامعہ پنجاب، لاہور	1966ء

12	کوثر مظہری، ڈاکٹر	جدید نظم حالؔی سے میرا جی تک	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی 6	2008ء
13	مخدوم محی الدین	نظمیں (انتخاب)	انجمن ترقی اردو ہندی، علی گڑھ	1985ء
14	مخمور سعیدی	ساحر لدھیانوی ایک مطالعہ	ماڈرن پبلیشنگ ہاؤس، نئی دہلی	1981ء
15	نسیم نکہت	دھواں دھواں	نامی پریس، لکھنؤ	1984ء
16	نسیم نکہت	بھیگی بھیگی آنکھیں	کاکوری آفسیٹ پریس، لکھنؤ	
17	نسیم نکہت	خواب دیکھنے والو!	کاکوری آفسیٹ پریس، لکھنؤ	2005ء
18	نسیم نکہت	مرا انتظار کرنا	کاکوری آفسیٹ پریس، لکھنؤ	2010ء
19	نسیم نکہت	اردو شاعری میں واقعات کربلا	نظامی پریس، لکھنؤ	2013ء
20	وزیر آغا	اردو شاعری کا مزاج	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	1974ء
21	محمد رضوان خان	جدیدیت کا مغنّی اسعد بدایونی	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	2015ء
22	عبادت بریلوی	غزل اور مطالعہ غزل	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	2001ء
23	وزیر آغا	نظم جدید کی کروٹیں	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	2002ء
24	آل احمد سرور	اردو تحریک	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	1995ء
25	سنبل نگار	اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	2004ء